ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
مئی ۲۰۱۴ء

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کو اس کا حق نہ ملے تو اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہے اور آج کل تو حق، حقوق کی بات بہت ہی ہونے لگی ہے۔ حقوق نہ ملنے کی شکایت عام ہے۔ ہر طبقہ اور ہر جماعت حقوق کی بات کرتی ہے۔ ہر لیڈر عوام کو حقوق دلوانا چاہتا ہے، لیکن خود دوسروں کے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بات کسی خاص گروہ میں ہی نہیں ہے، بلکہ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کے حقوق تو مل جائیں، لیکن اس کو کسی کا حق نہ دینا پڑے۔ مثلاً ایک مزدور یہ چاہتا ہے کہ اس کو مزدوری تو بہت اچھی ملے، لیکن اس کے بدلے میں وہ کام دل لگا کر اور محنت سے نہ کرے۔ اسی طرح مزدور سے کام لینے والا چاہتا ہے کہ مزدور تو کام محنت سے کرے، لیکن اس کو مزدوری کم دینی پڑے، یعنی مزدور کا حق خوشی سے دینا نہیں چاہتا۔ اس مثال سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ ایک کا حق دوسرے کا فرض ہوتا ہے۔ مزدور کا حق، یعنی اس کی مزدوری دینا، کام کرانے والے کا فرض ہے۔ جب تک مالک اپنا فرض ادا نہیں کرے گا، مزدور کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ اسی طرح مالک کا حق یہ ہے کہ اس کا کام اچھی طرح کیا جائے۔ یہ مزدور کا فرض ہے۔ جب تک مزدور اپنا فرض ادا نہیں کرے گا، مالک کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ اسی طرح ہر معاملے میں ہے۔ کسی کا حق، کسی کا فرض۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ہم میں سے ہر ایک اپنا فرض ایمان داری اور خلوص سے ادا کرنے لگے تو ہر ایک کو اس کا حق ملنے لگے۔ ہمیں اپنا حق مانگنے اور حق نہ ملنے کی شکایت کرنے کے بجائے اپنا فرض ادا کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اپنا فرض ادا کرو، دوسروں کا حق ان کو دو۔ دوسرے اپنا فرض ادا کریں گے اور تمھارا حق دیں گے۔ کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔

(ہمدرد نونہال مارچ ۱۹۸۷ء سے لیا گیا)

اس مہینے کا خیال

محبت اور محنت کی دوستی ہو جائے تو انسان کو بلندی پر جانے سے کوئی نہیں روک سکتا

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

دوستو! سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ خاص نمبر کی تیاری ہماری پوری توجہ کھینچے ہوئے ہے۔ بس نونہال دوستوں کی دعاؤں اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں باتیں ہمیں حاصل ہیں۔

ہمدرد نونہال نے آپ ہی کو بہت کچھ نہیں دیا، مجھے بھی بہت کچھ دیا اور اب بھی دے رہا ہے۔ میری عمر جیسے جیسے بڑھتی جا رہی ہے، میرا یہ خیال بڑھتا جا رہا ہے کہ مجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے اور میں نے اب تک جو کچھ سیکھا ہے وہ بہت کم ہے۔ چناں چہ میری کوشش بھی یہی ہے اور رہے گی کہ کچھ نہ کچھ سیکھتا رہوں۔

مجھے اپنے وہ بزرگ اور دوست بھی یاد آ رہے ہیں، جن کی تحریروں سے ہمدرد نونہال کو یہ مقام حاصل ہوا۔ دیکھیے، میں یاد کر رہا ہوں اور کوشش ہے کہ ان صاحبوں کے نام خاص نمبر میں لکھ دوں۔

سب سے زیادہ تو حکیم صاحب یاد آتے ہیں۔ ہمدرد نونہال جو کچھ بنا شہید حکیم محمد سعید کی محبت سے بنا۔ حکیم صاحب رسالے کی بہتری اور ترقی کی ہر تدبیر سے خوش ہوتے اور میری حوصلہ افزائی فرماتے۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ آج بھی میرے ساتھ ہیں اور ہمدرد نونہال کی ترقی سے خوش ہیں۔

اچھا دوستو! اب خاص نمبر میں ہی ملاقات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

ایک بات یہ ہے کہ خط لکھو تو پتا ضرور لکھو اور صاف صاف پورا پتا لکھو۔ ☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے، جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔ مرسلہ : اقصیٰ الطاف، رحیم یار خان

حضرت عمر فاروقؓ

دنیا میں عزت مال سے ہے اور آخرت میں اعمال سے۔ مرسلہ : محمد افضل انصاری، لاہور

حضرت حسینؓ

بزدلی یہ ہے کہ آپ حق کے لیے آواز نہ اٹھائیں۔

مرسلہ : اویس نورال گڈانی، میرپور ماتھیلو

حضرت سید علی ہجویریؒ

والدین کی طرف محبت کی نظر سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔ مرسلہ : قمر ناز دہلوی، کراچی

شیخ سعدیؒ

دشمن کے ساتھ بے موقع نرمی کرنا، اسے شیر بنانا ہے۔ مرسلہ : عرشیہ نوید، کراچی

سلطان صلاح الدین ایوبی

اگر کسی قوم کو بغیر جنگ کے شکست دینی ہو تو اس کے نوجوانوں میں بُرائی پھیلا دو۔

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

سر سید احمد خاں

سچا دوست وہ ہے، جو خامیاں جانتے ہوئے بھی آپ سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ آپ میں چند خوبیاں بھی ہیں۔ مرسلہ: کھتری محمد یعقوب، ٹنڈو الہیار

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

اگر کسی قوم کی طاقت کا اندازہ کرنا ہو تو اس کی توپوں اور بندوقوں کے بجائے اس کے کارخانوں میں جاؤ اور دیکھو کہ وہ غیر قوموں کا محتاج تو نہیں۔

مرسلہ: نادیہ اقبال، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

عظیم انسان وہ ہے، جس کے عزائم جلیل ہوں، مگر خواہشات قلیل ہوں۔ مرسلہ: حیا فاطمہ، جگہ نامعلوم

فرانسس بیکن

جو لوگ اپنی خوشیوں میں کسی کو شریک نہیں کرتے، غموں میں بھی ان کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔

مرسلہ : تسنیم زہرا، کراچی

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

قیصر حسنین

خدا کے بعد ہے نام محمدؐ
کتاب اللہ ، پیغام محمدؐ

دو عالم کے لیے رحمت بنایا
ہمیں جینے کا اک اک گر سکھایا

انھی کی ذات ہے انسان کامل
انھی کا نام ہے کلمے میں شامل

اطاعت ان کی ، اللہ کی اطاعت
شفاعت ان کی ہے روز قیامت

وہ دنیا بھر کے رہبر بن کے آئے
اندھیروں سے اُجالوں میں وہ لائے

خدا کے آخری پیغامبر ہیں
حبیب کبریا ، خیرالبشر ہیں

خدا تعالیٰ خود اور اس کے فرشتے
درود ان پر ہمیشہ بھیجتے ہیں

ہے قرآں میں ہدایت مومنوں کو
کہ تم سب بھی درود حضرتؐ پہ بھیجو

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں

عبدالواحد سندھی

مکے سے کچھ دور عرب کا ایک دوسرا بڑا شہر ہے، جس کا نام مدینہ ہے۔ مدینے کے رہنے والوں نے جب رسولِ پاک کا حال سنا تو وہاں سے کچھ لوگ مکے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان لوگوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینے چلنے کی درخواست کی اور آپؐ کو یقین دلایا کہ وہ ہر طرح سے اسلام کی مدد کریں گے۔

مکے والوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اور بھی بگڑ گئے اور رسولِ پاکؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے، مگر اللہ میاں کو یہ بات کیسے بھاتی کہ اس کے آخری رسولؐ پر ذرا سی بھی آنچ آئے۔ رسولِ پاکؐ نے خدا کے حکم سے اسلام کی خاطر اپنے پیارے وطن کو چھوڑا، جہاں وہ بچپن سے ترپن سال کی عمر تک رہے تھے۔

جب آپؐ مکہ چھوڑ کر مدینے تشریف لے گئے تو مدینے کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ اسلام کی مدد کرنے والے ''انصار'' کہلائے۔ جن مسلمانوں نے اپنا وطن چھوڑا، رسولِ پاکؐ کے ساتھ مدینے جا کر رہے، وہ ''مہاجر'' کہلائے، یعنی خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑنے والے۔ رسولِ پاکؐ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم کیا۔ وہ اس طرح کہ ایک انصار کو لیا اور ایک مہاجر کو۔ آپؐ نے دونوں کو بھائی بنا دیا۔ ان دونوں بھائیوں میں اتنی محبت تھی کہ سگے بھائیوں میں بھی ایسی محبت نہیں ہو سکتی۔

مدینے میں رسولِ پاکؐ کا آنا بڑا مبارک ہوا۔ اب اسلام پورے ملک عرب میں جلد جلد پھیلنے لگا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوتے جا رہے تھے، مگر مکہ والوں کو اب بھی مسلمانوں سے جلن باقی تھی اور وہ انھیں چین سے بیٹھا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کافروں نے بڑی بڑی فوجیں جمع کیں۔ اسلام اور مسلمانوں کا نام مٹانے کی کوششیں کیں، مگر مسلمانوں

کے سامنے اللہ میاں کا حکم اور حضورِ پُر نورؐ کی اعلا تعلیم اور عمل موجود تھا، جس نے ان کے دلوں میں ڈھارس پیدا کی اور وہ اسلام کی خاطر سب تکلیفیں اُٹھاتے رہے۔

ایک دفعہ مسلمانوں اور کافروں کی لڑائی ہوئی، مکے کے کافروں کا مشہور لیڈر ابوجہل اور اس کے بہت سے ساتھی اس لڑائی میں مارے گئے۔ مکے کے کافروں نے بہت چاہا کہ کسی طرح اسلام کا نام بالکل ختم ہو جائے اور اس کے لیے بڑے جتن کیے، مگر اللہ کے دین کو قائم ہونا تھا، اس لیے وہ ہو کر رہا۔ شروع میں جو تکلیفیں مسلمانوں کو اُٹھانی پڑیں، اس کا اَجر اللہ نے اس طرح دیا کہ مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی طاقت بڑھ گئی۔

اس زمانے میں خانۂ کعبہ بتوں کا مندر تھا۔ حضورِ انورؐ نے اسے بتوں کی ناپاکی سے صاف کر دیا اور لوگوں کو ایک اَن دیکھے خدا کی عبادت کرنے کی تلقین فرمائی۔ مکے کے کافر ان باتوں سے بہت جلتے تھے اور وہ رسولِ خدا کو صرف جسمانی تکلیفیں ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انھیں قتل کرنے کی بھی ترکیبیں کرتے رہتے تھے۔ رسولِ خدا کو اللہ نے اعلا اخلاق اور اعلا انسانی محبت کا نمونہ بنا کر بھیجا تھا، اس لیے انھوں نے اپنے جانی دشمنوں تک کو معاف کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی اعلا اخلاق تھے اور انسانیت کی بھلائی کا خیال تھا، جس نے اسلام کو پورے عرب ہی میں نہیں، ساری دنیا میں پھیلا دیا۔

رسولِ مقبولؐ نے اپنی زندگی میں جب آخری حج کیا تو اس کے بعد قرآن مجید نے یہ خوش خبری سنائی: ''سچائی آ گئی۔ جھوٹ بھاگ گیا، بس جھوٹ تو بھاگنے کے لیے ہی ہے۔''

اس خوش خبری میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے دینِ اسلام کی تعلیم اور پیغام کو دنیا کے لیے ہمیشہ کے لیے مکمل کر دیا ہے۔ حضورِ اکرمؐ نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ہمیں چاہیے کہ اللہ کے دین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر پوری طرح عمل کریں، تاکہ ہم سچے مسلمان بن سکیں۔

☆☆☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرسلہ : اثابیہ صوبدار، حیدرآباد

حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی رفیقۂ حیات تھیں۔ یہ خاندانِ قریش کی بہت ہی باوقار اور ممتاز خاتون تھیں۔ ان کے والد کا نام خویلد بن اسد اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ ان کی شرافت اور پاک دامنی پر تمام مکے والے ان کو "طاہرہ" کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔

انھوں نے حضور پاکؐ کے اخلاق و عادات اور جمیل صورت و باکمال سیرت کو دیکھ کر خود ہی آپؐ سے نکاح کی رائے ظاہر کی۔ وہ جب تک زندہ رہیں، حضور اکرمؐ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضور پاکؐ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی وفات کے بعد آپؐ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم خدیجہ سے بہتر بیوی کوئی نہ ہوگی۔ جس وقت ان کا انتقال ہوا اُس سال کا نام ہی آپؐ نے عام الحزن (غم کا سال) رکھ دیا۔

خانۂ کعبہ

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

❁ خانۂ کعبہ دنیا کی سب سے پہلی اور پرانی عمارت ہے۔

❁ یہ سب سے منفرد اور پاک عبادت گاہ ہے۔

❁ "مسجد الحرام" دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے۔

❁ یہ دنیا کی واحد عمارت ہے، جسے غسل دیا جاتا ہے۔

❁ یہ واحد عمارت ہے، جسے کپڑے سے ڈھانپا جاتا ہے۔

❁ یہ واحد عبادت گاہ ہے، جس کا طواف سال بھر ۲۴ گھنٹے ہوتا ہے۔

❁ یہ دنیا کی واحد جگہ ہے جو روئے زمین کے مرکز میں ہے۔

❁ یہ واحد عمارت ہے جس کے اوپر کسی جہاز کو اُڑنے کی اجازت نہیں۔

سچی باتیں

مرسلہ : رفعت شاہ، شہداد پور

☆ سادگی ایمان کی علامت ہے۔

☆ جس نے قرآن کو سمجھا، اُس کے ہاتھ میں علم کی کنجی آ گئی۔

☆ دل ایک آئینہ ہے، اگر یہ بُرائی سے پاک ہو تو اس میں خدا بھی نظر آتا ہے۔

☆ بُری عادتیں چھوڑنے کا بہترین طریقہ یہ ہے نیک کاموں میں دل لگاؤ۔

☆ جو اچھی بات سنو اُسے لکھ کر حافظے میں محفوظ کر لو، پھر اُسے دوسروں کے سامنے بیان کرو اور جو بیان کرو، اُس پر عمل کر کے دکھاؤ۔

گھر کی خوشی

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

گھر ایک خوشی کی جگہ ہے۔ گھر میں خوشی اس انسان کو ہوتی ہے، جو اپنے دل میں اپنے ماں، باپ اور بہن بھائی کی محبت رکھتا ہو۔ گھر میں اگر باپ نہیں ہوتا تو گھر کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ اگر گھر میں ماں نہ ہو تو گھر ویران معلوم ہوتا ہے۔ ماں ایک روشنی ہے۔ اگر گھر میں بہن نہ ہو تو بھائیوں کی خوشی ادھوری ہوتی ہے۔ بھائیوں کے بغیر بہنوں کی حسرت ادھوری ہے۔ غرض کہ گھر کے ہر فرد کی اپنی جگہ اہمیت ہے اور ان کی آپس کی محبت سے گھر کی خوشیاں قائم رہتی ہیں۔

حساب برابر

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

اردو کے مشہور ادیب سعادت حسن منٹو ایک بار کسی ہوٹل میں بیٹھے تھے کہ وہاں ان سے ہوٹل کے چند برتن ٹوٹ گئے۔ جب بیرا بل لے کر آیا تو اس میں ٹوٹے برتنوں کی قیمت بھی شامل تھی۔ منٹو صاحب بیرے سے کہنے لگے: "منیجر کو بلاؤ۔"

جب منیجر آ گیا تو اس سے پوچھا: "یہ ٹوٹے ہوئے برتنوں کا بل کون ادا کرے گا؟"

اس نے کہا: "جو برتن توڑتا ہے، اس کو قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔"

منٹو نے چار روپے ادا کیے اور چلے گئے۔ ایک ہفتے بعد پھر وہاں آئے، تھوڑی

دیر میں شور مچ گیا کہ سانپ نکل آیا ہے۔ بھگدڑ مچ گئی، میزیں کرسیاں الٹ گئیں، برتن ٹوٹ گئے، بہر حال سانپ مار دیا گیا۔ جب کچھ سکون ہوا تو منٹو نے بل منگوایا، جس میں ٹوٹے ہوئے برتنوں کی قیمت شامل نہیں تھی۔ منٹو نے منیجر کو بلایا اور پوچھا: ''آج برتنوں کے ٹوٹنے کا بل کیوں شامل نہیں؟''

منیجر بولا: ''وہ تو سانپ کی وجہ سے ٹوٹے ہیں، اس میں گاہکوں کا بھلا کیا قصور۔''

بل ادا کرتے ہوئے منٹو نے منیجر سے کہا: ''یہ آپ کے اصول کے خلاف ہے۔''

جب منٹو باہر جانے لگے تو منیجر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے: ''پچھلی دفعہ برتن ٹوٹنے کے آپ نے مجھ سے چار روپے لیے تھے، مگر آج یہاں آنے سے پہلے تین روپے مجھے ایک سپیرے کو دینے پڑے۔''

منیجر نے حیرت سے پوچھا: ''سپیرے کو؟''

منٹو بولے: ''جی ہاں، جس سانپ کو آپ لوگوں نے مار دیا ہے، میں اسے تین روپے میں خرید کر لایا تھا۔''

چین میں اردو

تحریر : ابن انشاء

پسند : تسمیہ ادریس کھتری، کراچی

جب ہم چین گئے تو ایک روز ہم نے سوچا کہ دیکھیں چینی لوگ اردو کیسے سیکھتے ہیں۔ اگر چینیوں کو اپنی زبان کے مشکل اور پیچیدہ ہونے پر ناز ہے تو ہم کو بھی ہے۔

ایک روز بندوبست ہوا اور ہم لوگ پیکنگ (موجودہ بیجنگ) یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں جا نکلے۔ یونی ورسٹی ایک بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ ہر جگہ طالب علموں کے ٹھٹ لگے تھے، جنھوں نے دونوں طرف کھڑے ہو کر تالیوں سے ہمارا استقبال کیا۔ شعبۂ اردو کے طالب علم ہمارے خیر مقدم کے لیے پہلے ہی موجود تھے۔

اکثر چینی لڑکے اور لڑکیاں فرفر اردو بولتے رہے اور سب سے تعجب کی بات یہ تھی کہ کسی سے مذکر، مؤنث کی کوئی غلطی نہ سنی۔ جیسے اندرونِ پاکستان ہم مختلف علاقوں کے لوگوں سے ضرور سنتے ہیں۔

لائبریری میں گئے تو واقعی اس میں ادب کی بہت سی اچھی کتابیں موجود تھیں۔ ہم نے ''مادام شان یون'' جو اس یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کی انچارج تھیں، ان سے کہا کہ ہماری ڈائری میں اپنے دستخط کر دیجیے۔ ان کا خط کم از کم ہمارے خط سے تو بہتر ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ طالب علموں نے اتنی مہارت فقط دو سال، بلکہ کم میں حاصل کی تھی اور بیگم صاحبہ نے بھی اردو ایک چینی سے ہی پڑھی تھی۔

تلوار نما مچھلی

مرسلہ : عریشہ نوید، کراچی

تلوار نما مچھلی (سورڈ فش) کشتی میں سوراخ کر سکتی ہے۔ اس مچھلی کا نام سورڈ فش اسی لیے ہے کہ اس کی تھوتھنی پر تلوار کی طرح ایک مضبوط ہڈی ہوتی ہے۔ یہ اس سے دوسری مچھلیوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ مچھیروں نے اس کو زندہ پکڑنا چاہا اور اس نے غصے میں آ کر کشتی میں سوراخ کر دیا۔

ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اس مچھلی نے ان کشتیوں میں بھی سوراخ کر دیا، جن کے پیندے میں تانبے کی چادریں لگی ہوتی ہیں۔

لفظ لفظ موتی

مرسلہ : مشعل نایاب، کراچی

☆ بچھو کی دُم میں زہر ہوتا ہے۔ سانپ کے دانت میں اور مچھر کے سر میں، لیکن بُرے آدمی کے پورے وجود میں زہر ہوتا ہے۔

☆ دنیا کا سب سے آسان کام دوسروں کے عیب گنوانا اور سب سے مشکل کام اپنی اصلاح کرنا ہے۔

☆ آنسو اس وقت مقدس ہوتے ہیں جب وہ کسی اور کے دکھ اور تکلیف کو محسوس کر کے بہیں۔

☆ پریشانیاں بیان کرنے سے بڑھ جاتی ہیں، خاموش رہنے سے کم، صبر کرنے سے ختم اور شکر کرنے سے خوشی میں بدل جاتی ہیں۔

☆ زندگی میں مایوسی سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں۔

☆

انتظار کی گھڑیاں ختم

ہمدرد نونہال کا آئندہ شمارہ

خاص نمبر ہوگا

انوکھی، سنسنی خیز، جادوئی، مزاحیہ کہانیاں، تاریخی واقعات

سائنسی، معلوماتی، دینی اور اصلاحی تحریریں

☆ شہید حکیم محمد سعید کی مزے مزے کی باتیں

☆ محترمہ سعدیہ راشد کی ایک خصوصی تحریر

☆ مسعود احمد برکاتی کی مفید اور دل چسپ باتیں

☆ اشتیاق احمد کا ایک مکمل ناول

آسان انعامی سلسلے، چٹ پٹے لطیفے، مسکراتے کارٹون، نادر اقوال

مزے مزے کی نظمیں اور اشعار

خاص نمبر کے ساتھ خاص تحفہ مزے دار کہانیوں کی کتاب

☆ بھرپور رسالہ ☆ مکمل ناول ☆ پوری کتاب

اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے ابھی سے بک کرالیں

ہر بک اسٹال پر دستیاب ہوگا

چندا ماموں

تنویر پھول

چندا ماموں پیارے پیارے
ان کے ساتھی ہیں سب تارے

سورج ڈوبا، رات ہے آئی
روشنی چندا نے پھیلائی

اندر ٹھنڈا، باہر ٹھنڈا
لگتا ہے اب کتنا اچھا

سب کو میٹھی نیند آئے گی
پیارے سپنے دکھلائے گی

نقا، ستی، منا، منی
دادا، دادی، ابو، امی

بستر میں سب سو جائیں گے
خوابوں سے دل بہلائیں گے

پھول! ہیں اچھے چندا ماموں
پیارے پیارے چندا ماموں

ماموں کا بھوت

وقار محسن

بھیکو دھوبی اور اس کی بیوی دونوں ہی بہت کنجوس تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مہمان کو رحمت کے بجائے زحمت سمجھتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دیوار پر کوے کا بولنا مہمان کی آمد کا شگون ہوتا ہے، اس لیے جب بھی کوئی کوا بھیکو کی جھونپڑی کے اوپر کائیں کائیں کرتا تو اس کی بیوی کہتی ہوئی دوڑتی: ''اے کلموہے! بھاگ یہاں سے، جا شریفن کی دیوار پر جا کر کائیں کائیں کر۔''

ایک دن جب بھیکو کے ماموں پڑوس کے گاؤں ''نان پور'' سے آئے تو دونوں میاں بیوی کے چہرے اُتر گئے۔ ماموں نے خیریت پوچھی تو بھیکو نے آہ بھر کر کہا: ''ارے بس کیا پوچھتے ہو ماموں! اس بار تو فصل خراب ہو گئی۔ ہم تو دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔''

جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ماموں پانچ چھے دن تک رہیں گے تو وہ اور سٹپٹائے۔

رات کو جب بھیکو کی بیوی باسی چاول گرم کرنے لگی تو بھیکو نے ڈرتے ڈرتے کہا: ''اری بھلی مانس! کہیں باسی چاول کھا کر ماموں لوٹ پوٹ نہ ہو جائیں۔ چاول میں تھوڑا سا اچار ڈال دے تاکہ بساند کم ہو جائے۔''

بھیکو کا اندیشہ درست نکلا۔ آدھی رات کے بعد ماموں مچھلی کے طرح تڑپنے لگے اور کچھ دیر میں ٹھنڈے پڑ گئے۔ بھیکو کو یقین ہو گیا کہ ماموں اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں، حال آں کہ ماموں کو صرف سکتہ ہو گیا تھا۔ بھیکو میاں ڈر کے مارے بڑبڑائے: ''دیکھا میں نہ کہتا تھا، مروا دیا تو نے۔ اب تو ہم جیل جائیں گے۔''

دونوں میاں بیوی لالٹین کی بتی نیچی کر کے سوچتے رہے کہ کس طرح سے لاش سے پیچھا چھڑایا جائے۔ بہت سوچنے کے بعد انھوں نے طے کیا کہ ایک تیر سے دو شکار کیے جائیں۔ فضلو کمہار سے ان کی پرانی دشمنی تھی، اس لیے بھیکو نے سوچا کہ لاش کو فضلو کے دروازہ کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ اس وقت چاروں طرف سناٹا تھا۔ بھیکو نے اِدھر اُدھر دیکھا اور ماموں کو فضلو کے دروازے کے ایک کواڑ سے لگا کر کھڑا کر دیا۔ وہاں اندھیرا ابھی تھا۔ کچھ دیر بعد جب فضلو نے گھر کا دروازہ کھول کر باہر جانا چاہا تو کوئی چیز اس کے کاندھوں پر آ گری۔ فضلو سمجھا کہ کسی چور نے حملہ کر دیا ہے۔ وہ لاٹھی لے کر ماموں پر پل پڑا۔ کچھ دیر بعد جب اس نے ماچس جلا کر دیکھا تو ڈر کے مارے اس کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ سمجھا کہ شاید میری لاٹھی کے وار سے یہ شخص چل بسا۔

اب فضلو کو فکر ہوئی کہ اس لاش سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے۔ اس نے باہر نکل کر

دیکھا تو دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ صرف مجید نائی کی دوکان سے لالٹین کی دھیمی روشنی آرہی تھی اور مجید شٹر بچا کر کے فجر کی نماز پڑھنے گیا تھا۔ فضلو نے ماموں کو کمر پر لادا اور مجید کی دکان میں آئینے کے سامنے کرسی پر لاش کو بٹھا کر بھاگ نکلا۔

مجید جب نماز پڑھ کر آیا تو سمجھا کہ کوئی گاہک بال بنوانے آیا ہے۔ جب وہ میلا کپڑا نکال کر کرسی پر بیٹھے شخص کی گردن پر لپیٹنے لگا تو وہ شخص اس کی گود میں آن پڑا۔ مجید گھبرا گیا۔ کونے میں رکھے مٹکے سے ٹھنڈا پانی نکال کر جب اس شخص کے چہرے پر چھینٹا مارا تو ماموں جو سکتے میں تھے، آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ یہاں کیسے پہنچے، کیوں کہ ان کی اچھی خاصی درگت بن چکی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بھیکو کی جھونپڑی کی طرف روانہ ہوئے۔

اُدھر رات بھر بھیکو کا ضمیر ملامت کرتا رہا کہ اس نے نا صرف ماموں کی جان لے لی، بلکہ لاش کی بے حرمتی بھی کی۔ دونوں میاں بیوی شرمندہ ہو کر اقبال جرم کرنے تھانے پہنچے۔

تھانے دار نے پوری کہانی سننے کے بعد بھیکو اور اس کی بیوی کو حوالات میں بند کر دیا اور ایک سپاہی کو حکم دیا کہ فضلو کی یہاں سے لاش برآمد کر کے لائے۔ اُدھر فضلو بھی بہت شرمندہ تھا کہ اس نے ایک اجنبی کی جان لے لی اور ایک معصوم مجید نائی کو پھنسا بھی دیا۔ وہ بھی اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے تھانے پہنچ گیا اور اقرار کیا دراصل قتل میں نے کیا ہے اور مجھے سزا دی جائے۔

تھانے دار نے غصے سے اپنے بال نوچتے ہوئے بھیکو کو رہا کر دیا اور فضلو کو بند کر دیا اور سپاہی کو مجید نائی کی دکان سے لاش برآمد کرنے کے لیے حکم دیا۔

مجید نے تھانے آ کر گڑگڑا کر کہا: سرکار! میری دکان میں آج ایک شخص کرسی پر

بے ہوش پڑا تھا، لیکن پانی کا چھینٹا ڈالنے پر وہ اُٹھ بیٹھا اور بغیر حجامت بنوائے چلا گیا۔"

اُدھر جب ماموں کراہتے اور لنگڑاتے بھیکو کے گھر پہنچے تو لوگوں نے بتایا کہ وہ میاں بیوی تو تھانے کی طرف گئے ہیں۔ ماموں جب گھسٹتے ہوئے تھانے پہنچے تو تھانے دار صاحب سر پکڑے کرسی پر اکڑوں بیٹھے تھے۔ ماموں کو دیکھ کر بھیکو اور فضلو چیخے: "بھوت...... بھوت۔"

کچھ دیر بعد تھانے دار نے سب کی کہانی سنی اور پوری بات سمجھ میں آنے کے بعد ان سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا۔

بھیکو اور اس کی بیوی، ماموں کو سہارا دے کر گھر لے گئے اور چار پانچ دن تک ان کی خوب خاطر و مدارات کی اور آیندہ کے لیے کنجوسی سے توبہ کی۔

☆☆☆

شیر کا احسان

ابن سراج، ایڈووکیٹ

پرانے زمانے میں شہر سے کوسوں دور ایک گاؤں میں سیلاب آ گیا۔ ہزاروں لوگ پانی میں بہ گئے۔ لاتعداد گھر تباہ و برباد ہو گئے اور سیکڑوں لوگ پانی میں ڈوبنے سے بچ تو گئے، مگر ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ بچا تھا۔

گاؤں میں ایک غریب کسان تھا۔ ایک سنار سے اس کی دوستی تھی۔ اس نے سنار کو تلاش کیا تو اتفاق سے اس کا گھر اور سب گھر والے سلامت تھے۔ کسان اپنی بیوی کے ساتھ جب اپنے دوست سنار کے پاس پہنچا تو وہ بھی اپنی پریشانی بیان کرنے لگا: ”بھائی! میرا گھر تو چلو سیلاب سے بچ گیا، مگر دکان سیلاب سے برباد ہو گئی اور تمام مال اور زیورات

بھی سیلاب کی نظر ہو گئے۔''

''پھر کیا کریں؟'' کسان نے سنار سے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے کہ شہر چلتے ہیں۔ وہاں جا کر ضرور کہیں نہ کہیں نوکری یا مزدوری مل جائے گی۔ راستہ بہت طویل ہے اور ہمارے پاس کوئی سواری بھی نہیں ہے۔''

''راستے میں جنگل بھی آتے ہیں۔'' کسان نے خیال پیش کرتے ہوئے کہا۔

''تو کیا ہوا ہمت کرو، اللہ مالک ہے۔ یہاں تو کوئی ہماری مدد کے لیے بھی نہیں آئے گا۔ بادشاہ کو کیا پتا کہ ہم پر کیا مصیبت آ گزر گئی ہے۔''

سنار کے خیالات سے کسان کو بہت حوصلہ ملا۔ اس کی بیوی نے مشورہ دیتے ہوئے کہا:

''بھائی سنار ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ بادشاہ تک اپنے حالات اور مصیبت کی خبر دینی چاہیے۔''

’’ٹھیک ہے تو کل صبح یہاں سے روانہ ہوں گے۔‘‘ سنار نے مشورہ دیتے ہوئے کہا: ’’ہم دونوں کے بیوی بچے گاؤں میں ہی رہیں گے۔ دوسرے گاؤں سے میرا بھائی کھانے پینے کا سامان لے کر آنے والا ہے، تم اس کی فکر نہ کرو۔‘‘

’’ہاں ہاں سنار بھائی! مشورہ تو تم نے ٹھیک ہی دیا ہے۔‘‘

آخر دونوں نے ضرورت کا کچھ سامان ساتھ لیا اور شہر کی طرف چل پڑے۔ چلتے چلتے شام ہو جاتی تو کسی محفوظ درخت پر چڑھ کر آرام کر لیتے، پھر جب دن نکل آتا تو سفر شروع کر دیتے۔ چلتے چلتے آخر کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو گیا۔ سنار کو بخار نے آ گھیرا اور وہ بے چارہ چلنے سے بھی معذور ہو گیا۔ آخر کسان نے اسے درختوں کی آڑ میں محفوظ جگہ پر لٹا دیا۔ چاروں طرف آگ روشن کر دی، تا کہ کوئی موذی جانور یا درندہ قریب نہ آ سکے اور خود گرتا پڑتا جنگلی پھل وغیرہ تلاش کرنے چل دیا۔ کچھ دور چلا تھا کہ راستے میں اسے ایک شیر ملا، جو درد کی تکلیف سے بے حال ہوئے جا رہا تھا۔ شیر کو دیکھ کر کسان کو تھرتھری سی لگ گئی، مگر شیر پھر بھی نہ اُٹھ سکا، بلکہ کسان سے کہنے لگا: ’’اے بھائی! میں تجھے کچھ نہ کہوں گا، تُو میری مدد کر دے، اللہ تیرا بھلا کرے گا۔‘‘

کسان نے شیر کو انسان کی زبان میں بات کرتے دیکھا تو اور بھی ڈر گیا۔

شیر نے کہا: ’’اے بھائی! مجھ سے نہ ڈر۔ میں نے اللہ سے دعا مانگی ہے کہ مجھے بات کرنے کے لیے کچھ دیر کے لیے زبان دے دے۔‘‘

کسان کے اندر ہمت پیدا ہوئی۔ اس نے قریب جا کر پوچھا: ’’اب بتا تیری کیا مدد کروں؟‘‘

’’بھائی! میرے پچھلے پاؤں میں بہت بڑا کانٹا گھس گیا ہے۔ اس کی تکلیف سے مرا

جاتا ہوں، تجھے خدا کا واسطہ یہ کانٹا نکال کر میری جان بچا لے، ورنہ کوئی شکاری اِدھر آ گیا تو میری کم زوری سے فائدہ اُٹھا کر مجھے قید کر لے گا۔''

کسان نے خدشہ ظاہر کیا: ''کانٹا تو نکال دوں گا، مگر کیا بھروسا کہ تُو مجھے کھا نہ جائے؟''

شیر نے عاجزی سے کہا: ''وعدہ کرتا ہوں کہ میں تجھے ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا، بھلا کوئی اپنے محسن کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ ایسا تو تم انسانوں میں ہوتا ہے۔''

کسان نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر شیر کے پاؤں کے اندر تک گھسا ہوا کانٹا نکال دیا۔ زخم کو صاف کر کے اپنا رومال پھاڑ کر پٹی باندھ دی۔

شیر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ''اے نیک انسان! تیری اس نیکی کا میں کیا بدلہ دوں گا۔ آ چل، میرے ساتھ چل۔''

کسان شیر کے ساتھ چل پڑا۔ کسان نے شیر سے کہا: ''اے شیر بھائی! میرا ایک اور ساتھی بھی کچھ دور جنگل میں بیمار پڑا ہوا ہے اور کم زوری کی وجہ سے اس سے چلا بھی نہیں جا رہا ہے۔ پہلے مجھے کچھ کھانے کے لیے جنگلی پھل وغیرہ کا درخت بتا دے تو مہربانی ہوگی۔

شیر نے کہا: ''اے نیک انسان! تیرا دوست بھی میرا دوست ہے۔ سن ابھی کچھ دنوں پہلے دو شکاری اس جنگل میں مجھے شکار کرنے آئے تھے۔ میں نے اور میری شیرنی نے موقع پا کر ان دونوں پر حملہ کر کے انھیں ہلاک کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ کھانے پینے کا سامان تھا، وہ محفوظ ہے۔ آ پہلے اِدھر چل اور وہ سامان تُو اُٹھا کر لے جا اور پھر میں تجھے ایک ایسی نایاب بوٹی کا پودا دکھاؤں گا، چاہے کیسا ہی بیمار ہو، اس کی پتیاں پیس کر مریض کو پلا دیں۔ ان شاء اللہ ایک دو دن میں بالکل تن درست اور توانا ہو جائے گا۔ ہم جانور بھی بیمار

ہو جاتے ہیں تو اکثر یہی بوٹی تلاش کر کے کھا لیتے ہیں۔ پھر شیر نے ایک درخت کے نیچے کھانے پینے کے سامان کی طرف لے جا کر کہا: ''اے نیک آدمی! یہ سامان اٹھا لے۔''

کسان کھانے پینے کا سامان، کپڑے میں باندھ کر کاندھے پر اُٹھا کر شیر کے ساتھ چلنے لگا۔ کچھ دور جا کر شیر نے چھوٹے چھوٹے پودوں کی طرف پنجے سے اشارے کرتے ہوئے کسان سے کہا: ''یہ ہے وہ پودا جو ہر بیماری میں اللہ کے حکم سے شفا دیتا ہے۔ غریب آدمی نے جلدی جلدی کچھ پودے توڑ کر سامان میں رکھ لیے۔

شیر نے مشورہ دیا: ''یہ بوٹی تم اپنے دوست کو کسی پتھر سے کچل کر پانی سے کھلا دینا ان شاء اللہ کچھ ہی دیر میں تن درست ہو جائے گا۔''

کسان نے شیر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ''اے اچھے شیر! تیرا بہت بہت شکریہ۔ اب مجھے اجازت چاہیے، میرا دوست میرا انتظار کر رہا ہوگا۔''

شیر نے کہا: ''اے بھائی! اتنی جلدی نہ کر مجھے کچھ اور بھی خدمت کرنے دے۔ کافی دنوں پہلے ایک شہزادہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ جنگل میں شکار کھیلنے آیا تھا، مگر چیتے اور ریچھ نے ان پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ کچھ جان بچا کر بھاگ نکلے، مگر شہزادہ اور اس کا ایک ساتھی مارے گئے تھے۔ شہزادے کے گلے میں موتیوں کے ہار تھے۔ چیتا اور ریچھ ان کی لاشوں کو کھا رہے تھے کہ اچانک میرا اِدھر سے گزر ہو گیا۔ میں جو زور سے دہاڑا تو وہ ڈر کر بھاگ گئے۔ یہ ہیرے موتیوں کے ہار میں لے آیا اور اپنے غار میں ایک جگہ چھپا دیے تھے۔ یہ تم لے جاؤ اور بادشاہ کو دے دینا۔ شاید بادشاہ اور ملکہ شہزادے کے غم میں روتے ہوں گے۔ شیر کسان کو غار کے اندر لے گیا اور پنجے مار کر ایک جگہ گھاس میں چھپے ہوئے ہار

کسان کو دکھاتے ہوئے کہا: ''اسے تم لے جاؤ، جو چاہو کر لینا، مگر اچھا ہو کہ بادشاہ کو پہنچا دو، تاکہ تمھیں اس سے زیادہ انعام ملے۔''

کسان نے شیر کا شکریہ ادا کیا۔ شیر نے کہا: ''جاؤ خدا حافظ! ہمیشہ نیک رہنا اور نیکی کرتے رہنا۔'' کسان شیر سے رخصت ہو کر اپنے ٹھکانے پر آ گیا۔

سنار کو اُٹھا کر اسے بوٹی پیس کر پلا دی۔ کچھ دیر میں سنار کا بخار ختم ہو گیا اور وہ بھلا چنگا نظر آنے لگا۔ کسان نے اسے جب تمام حالات بتائے اور شہزادے کے قیمتی جواہر کے ہار دکھائے تو سنار کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا اور جواہرات چرانے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ کھانے پینے کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا، لہٰذا دونوں پھر شہر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں آتا ہوا قافلہ مل گیا اور وہ بھی قافلے میں شامل ہو کر چل پڑے۔

شہر کے پاس ایک مسافر خانے میں یہ دونوں ٹھیر گئے۔ سنار کے دل میں لالچ تھا۔ جیسے ہی موقع ملا وہ جواہرات چرا کر بھاگ نکلا اور گھر کی راہ لی۔

ادھر ملکہ بیٹے کے غم میں بیمار ہو کر موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ بادشاہ کا اعلان تھا کہ جو کوئی ملکہ کا علاج کر کے اسے اچھا کرے گا، اسے آدھی سلطنت انعام دی جائے گی۔ ملکہ روز بروز موت کی طرف جا رہی تھی۔ بڑے بڑے مشہور طبیب آ رہے تھے، مگر کسی سے شفا نہیں ہو رہی تھی۔ کسان بادشاہ کے محل پہنچ گیا اور سپاہیوں سے آنے کا مقصد بیان کیا تو وہ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے۔

بادشاہ نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا: ''اے شخص! یہاں کئی ملکوں کے معالج آئے ہیں۔ تم تو طبیب بھی نہیں لگتے، کہو پھر کیسے علاج کرو گے؟ ہم پہلے ہی

شہزادے کی جدائی کے غم میں مبتلا ہیں۔

کسان نے کہا: ''اللہ آپ کو اور ملکہ کو سلامت رکھے۔ بادشاہ سلامت! مایوس کیوں ہوتے ہیں۔ آپ مجھے ملکہ عالیہ کے پاس لے چلیں، ان شاء اللہ پہلی ہی خوراک سے ملکہ عالیہ تن درست ہونے لگیں گی۔''

''اچھا یہ بات ہے تو آؤ میرے ساتھ۔''

بادشاہ ملکہ کے پاس کسان کو لے کر آ گیا۔ کسان نے جیب سے بوٹی نکال کر اسے پانی میں گھول کر جیسے ہی پلایا، ملکہ کے ہاتھ پاؤں میں جنبش ہونا شروع ہو گئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دوسرے دن وہ بات چیت کرنے کے قابل ہو گئی۔ تمام خادم، کنیزیں اور خود بادشاہ بھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شام تک ملکہ جسمانی طور پر بالکل ٹھیک ہو گئی۔

بادشاہ نے غریب اور نادار عوام کے لیے خزانے کے منھ کھول دیے۔ کسان کو آدھی سلطنت دینے کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

کسان نے بادشاہ سے کہا: ''عالی جاہ! شہزادہ شکار کے دوران مارا گیا تھا۔ پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک سارے حالات کا بادشاہ سے ذکر کرتے ہوئے سنار کی بدعہدی اور دھوکے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ سنار شہزادے کے قیمتی ہار چرا کر فرار ہو گیا ہے۔ گاؤں میں سیلاب اور اس سے ہونے والی تباہیوں سے بادشاہ کو آگاہ کرتے ہوئے اس سے مدد کرنے کی اپیل بھی کی۔

بادشاہ کو سنار کی دھوکے بازی پر سخت غصہ آیا۔ اس نے فوراً سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کرتے ہوئے سنار کی فوری گرفتاری کا حکم جاری کر دیا اور گاؤں والوں کے لیے امدادی سامان اور مدد کے لیے کارندے علاحدہ روانہ کر دیے۔ سنار کو اس کے گھر سے گرفتار کر کے سر قلم کر دیا گیا۔

بادشاہ نے اعلان کرتے ہوئے غصے سے کہا: ''چوروں، لٹیروں کے لیے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں ہے۔''

بادشاہ نے کسان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے آدھی سلطنت دینے کی خواہش کی تو کسان نے کہا: ''بادشاہ سلامت! آپ اور آپ کی حکومت کو اللہ سلامت رکھے، آپ کی ضرورت آپ کے ملک کو ہے۔''

بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اسے اپنا بیٹا بنا کر بعد میں وزیر اعظم بنا دیا۔

☆☆☆

شکر خدا کا کرتے رہیں گے

محمد شفیق اعوان

اک دوجے سے پیار کریں گے
مل جل کر ہم لوگ رہیں گے

حق کی راہ اپنائیں گے ہم
جھوٹ سے نفرت کرتے رہیں گے

امن و اماں کی خاطر ہم سب
عام، اسلام کو کرتے رہیں گے

جو بھی اچھے ہوں گے لوگ
ساتھ ہم اُن کے چلتے رہیں گے

خوشیاں بانٹیں گے ہم سب میں
ساتھ غموں کے لڑتے رہیں گے

تھام رکھا ہے صبر کا دامن!
شکر خدا کا کرتے رہیں گے

ہم تو شفیق اسلام کی خاطر
راہِ خدا میں لڑتے رہیں گے

صندوق کے اندر

خلیل جبار

صبح ہی سے فہیم اور اشرف گھر سے غائب تھے۔ دوپہر میں ان کے ابو نیاز محمد جب گھر پہنچے تو بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ انھیں پریشان دیکھ کر ان کی بیگم، ثانیہ بھی پریشان ہو گئیں۔

''کیا بات ہے، آج بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں؟''

''ہاں پریشانی کی بات ہے۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ فہیم اور اشرف کہاں ہیں؟''

''وہ صبح اپنے کسی دوست سے ملنے کا کہہ کر گئے تھے، ابھی تک لوٹے نہیں ہیں۔''

''کیا انھوں نے اپنے دوست کا نام بتایا تھا۔'' نیاز محمد نے پوچھا۔

''ہاں نام بتایا تھا، لیکن میرے ذہن سے وہ نام نکل گیا۔''

''ذہن پر زور ڈالو اور سوچ کر بتاؤ کہ کیا نام تھا اس کا۔''

ثانیہ بیگم نے کہا: ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ ان دونوں کے لیے اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہیں، کہاں جائیں گے، جب بھوک لگے گی تو خود ہی دوڑے دوڑے گھر آئیں گے۔''

''بیگم میں یہ بات کیسے سمجھاؤں، تمھیں بڑے حوصلے سے کام لینا ہوگا۔'' نیاز محمد نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

ثانیہ بیگم کے چہرے پر تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ انھیں احساس ہو گیا تھا کہ ضرور کوئی بات ہو گئی، جبھی وہ فہیم اور اشرف کے بارے میں بار بار پوچھے جا رہے ہیں۔

''دیکھو بیگم! تم اب حوصلے سے کام لینا اور توجہ سے میری بات سننا۔ میرے موبائل فون پر ایک کال آئی تھی۔ کال کرنے والے نے کہا ہے کہ اس نے فہیم اور اشرف کو اغوا کر لیا ہے اور اس کے بدلے وہ تاوان وصول کرنا چاہتے ہیں۔'' نیاز محمد نے کہا۔

ثانیہ بیگم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیاز محمد کی طرف دیکھا۔

اپنے دونوں بیٹوں کے اغوا کی خبر نے ثانیہ بیگم کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے بیٹوں کے اغوا کی خبر سن کر اپنے دل کو بہلانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ خدا کرے یہ خبر جھوٹی ہو۔

''بھابی! کیا بات ہے آپ پریشان لگ رہی ہیں؟'' فریدہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ فریدہ نیاز محمد کی بہن تھی، جو قریب ہی ایک محلے میں رہتی تھی۔

نیاز محمد نے فریدہ کو تمام صورت حال بتائی تو اس نے کہا: ''بھائی صاحب! ہو سکتا ہے کہ کسی نے مذاق کیا ہو۔''

''بچے صبح سے غائب ہیں۔'' نیاز محمد نے کہا۔

''پولیس کو خبر کی ہے؟''

''اغوا کرنے والوں نے دھمکی دی ہے کہ پولیس سے رابطہ کرنے پر بچوں کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر اب کیا کریں گے؟'' فریدہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

''ہمیں ان کی دوسری کال کا انتظار کرنا ہوگا، جس میں وہ بتائیں گے کہ کتنی رقم کب اور کہاں پہنچانی ہے۔'' نیاز محمد نے کہا۔

''اگر انھوں نے زیادہ تاوان مانگا، پھر ہم کیسے انھیں رقم دیں گے۔'' ثانیہ بیگم نے کہا۔

''جتنی بھی رقم مانگیں گے ہم دیں گے۔ ہمارے بچوں سے زیادہ، رقم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

فریدہ گھر کا سودا سلف بازار سے لینے کے بعد کچھ دیر ملنے کے لیے آئی تھی، مگر بچوں کے اغوا کی خبر نے اسے بھی پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔

اُدھر گھر کی چھت پر موجود فہیم اور اشرف بھی اپنے والدین کو پریشان ہوتا دیکھ کر دکھی ہو رہے تھے، لیکن دل پر جبر کر کے وہ یہ سب دیکھ رہے تھے۔ سیڑھیوں سے نیچے کمروں کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ انھوں نے ابا سے نئے ماڈل کا کمپیوٹر دلانے کی فرمائش کی تھی، جو پوری نہ ہو سکی تھی، اس لیے دونوں نے مل کر ابا کو تنگ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ ان کے موبائل میں ایسا سسٹم موجود تھا، جس سے آواز تبدیل کر کے سنائی جا سکتی تھی، فون میں سم بھی نئی تھی۔

ان کے ابا کے چہرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا وہ اپنے ابا جان کو پریشان کرنے میں کام یاب ہو چکے تھے۔ وہ سیڑھیوں پر چھپے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ امی جان نے بھی انھیں کمروں میں ڈھونڈنا شروع کر دیا تھا۔ پھر پھوپھی فریدہ بھی آ گئیں تھیں اور پریشان ہو کر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں تھیں۔

''ہم انھیں پریشان کر کے غلط تو نہیں کر رہے؟'' اشرف نے پوچھا۔

''یہ خیال تمھیں ہی آیا تھا اور اب ایسی باتیں کر رہے ہو۔'' فہیم نے کہا۔

اچانک ایک کالا موٹا بلا ان کی چھت پر کودا۔ بلے کو دیکھ کر وہ دونوں سہم گئے تھے۔ یہ بلا اس علاقے میں مختلف گھروں میں گھومتا پھرتا تھا، لیکن اس بلے کو دیکھ کر وہ دونوں ڈر

جاتے تھے۔ آج بھی اس بلے کو دیکھ کر وہ بُری طرح سے سہم گئے تھے۔ اشرف نے ایک لکڑی بلے پر پھینک کر ماری۔ کالا بلا اُچھل کر اپنے آپ کو اس وار سے بچا گیا اور چھت سے بھاگ گیا۔ لکڑی دیوار سے ٹکرا کر چھت پر گری۔ اس سے چھت پر آواز پیدا ہو گئی تھی۔ آواز سن کر فہیم چونکا۔

''اشرف! یہ تم نے کیا کر دیا۔ چھت پر آواز پیدا ہونے سے کہیں نیچے سے کوئی اوپر نہ آ جائے۔ آؤ، اس صندق میں چھپ جاتے ہیں۔'' فہیم نے صندوق کی طرف دوڑ لگائی۔

امی جان نے فالتو سامان رکھنے کے لیے چھت پر لوہے کا صندوق رکھا ہوا تھا۔ چند دن پہلے ہی اس صندوق کے اندر سے فالتو سامان بیچنے کے لیے نکالا گیا تھا۔ فہیم کے صندوق میں گھستے ہی اشرف بھی صندوق میں گھس گیا۔ جلدی میں موبائل فون ٹھوکر لگنے سے صندوق کے نیچے چلا گیا۔

''ارے وہ میرا موبائل تو باہر ہی رہ گیا۔'' اشرف نے کہا۔

''وہ ہم بعد میں لے لیں گے۔'' یہ کہتے ہوئے اشرف نے صندوق کا ڈھکن بند کر دیا۔

وہ دونوں صندوق میں چھپ جانے پر کسی کو بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد چھت پر کوئی آیا تھا۔ اس کے چلنے کی آواز وہ محسوس کر رہے تھے۔ پھر وہ آواز دور ہوتی چلی گئی۔

''ارے میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' فہیم کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

''میرا بھی یہی حال ہے۔ تھوڑی دیر یہی حال رہا تو......''

''میں صندوق کا دروازہ کھولتا ہوں۔'' فہیم نے زور سے صندوق کے ڈھکن کو اوپر اُٹھانا چاہا، لیکن وہ اسے کھولنے میں ناکام رہا۔

"اب کیا کریں؟ موبائل بھی باہر ہی رہ گیا ہے۔" اشرف نے کہا۔

نعیم نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح صندوق کا ڈھکن کھل جائے، لیکن صندوق کا کنڈا خود بخود بند ہو گیا تھا۔ اشرف پہلے ہی دم گھٹنے سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ نعیم بھی اس پر گرا اور بے ہوش ہو گیا اسے اتنی بھی مہلت نہ مل سکی کہ وہ مدد کے لیے کسی کو صندوق سے آواز دے سکے یا صندوق کو بجا کر اپنی طرف متوجہ کر سکے۔

ان دونوں کی جب آنکھیں کھلیں وہ اسپتال کے بستر پر تھے۔ انھیں ہوش میں آتا دیکھ کر امی، ابو اور پھوپھی کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"شکر ہے خدا کا، تمھیں ہوش آ گیا۔" امی جان نے ان کی بلائیں لینا شروع کر دیں۔

"بھئی یہ سب کیا تھا مجھے کال آئی تھی کہ تمھیں اغوا کر لیا گیا ہے اور تم صندوق سے بے ہوشی کی حالت میں ملے ہو۔" ابا جان نے پوچھا۔

"ابا جان! میں آپ کو سچ سچ بتا دیتا ہوں۔" نعیم نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ساری بات تفصیل سے بتا دی۔

"جب ہمیں محسوس ہوا کہ کوئی چھت پر آ رہا ہے تو ہماری سمجھ میں یہی آیا کہ صندوق میں چھپ جائیں۔ صندوق میں ہمارا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس لیے صندوق کے ڈھکن کو کھولنا چاہا، مگر اس کا کنڈا بند ہو جانے سے ڈھکن کھل نہ سکا اور ہم دم گھٹنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔"

ان کے ابو نے کہا: "شکر کرو چھت پر کسی چیز کے گرنے کی آواز سن کر تمھاری والدہ چھت پر چلی گئیں اور چھت پر وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر ٹہل کر دیکھتی رہیں کہ چھت پر کون تھا، جس کی آواز سنائی دی تھی۔ کچھ دیر چھت پر ٹہل کر وہ جیسے ہی نیچے آنے کو سیڑھیوں کی طرف

بڑھیں، انھیں صندوق سے آواز سنائی دی۔ وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر سیڑھیاں اترتی چلی گئیں، مگر پھر نہ جانے ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ پھر چھت پر گئیں اور صندوق کا ڈھکن اُٹھایا صندوق میں تمھیں بے ہوش دیکھ کر ان کی چیخ نکل گئی۔ ان کی چیخ سن کر ہم بھی چھت پر بھاگے اور تمھیں صندوق سے نکال کر اسپتال لے کر آ گئے۔ اللہ نے کرم کیا اور ڈاکٹروں کی کوشش سے تم لوگ ہوش میں آ گئے ہو۔"

"تمھیں اپنی حماقت کا احساس ہو گیا ہو گا کہ اپنی بات منوانے کا یہ طریقہ غلط ہے۔" پھوپھی فریدہ نے کہا۔

"ابا جان! ہم آج یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آیندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کریں گے۔"

اس کی بات سن کر امی، ابو اور پھوپھی جان کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ وہ خوش تھے کہ ان دونوں کو خود ہی احساس ہو گیا ہے۔

دوسرے ہی ہفتے نعیم اور اشرف کو ایک نیا کمپیوٹر دلا دیا گیا، لیکن کچھ شرائط اور پابندیوں کے ساتھ، تاکہ ان کی تعلیم پر بُرا اثر نہ پڑے۔ ☆

ای-میل کے ذریعے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

بیت بازی

نہ کتابوں سے، نہ کالج سے، نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

شاعر: اکبر الہٰ آبادی — پسند: نادیہ اقبال، کراچی

سمندروں کو بھی حیرت ہوئی کہ ڈوبتے وقت
کسی کو ہم نے مدد کے لیے پکارا نہیں

شاعر: افتخار عارف — پسند: دوست محمد، لاڑکانہ

غریبوں کی یہ بستی ہے، کہاں سے شوخیاں لاؤں
یہاں بچے تو رہتے ہیں، مگر بچپن نہیں رہتا

شاعرہ: پروین شاکر — پسند: ثمینہ فرخ جتوئی، ڈیرہ غازی خان

اور تو مجھ کو ملا کیا مری محنت کا صلہ
چند سکے ہیں مرے ہاتھ میں چھالوں کی طرح

شاعر: جاں نثار اختر — پسند: زہرہ شمشاد، لاہور

وہ میرا دوست ہے، سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے، تو شرم آئے مجھے

شاعر: قتیل شفائی — پسند: ہادی سلیمان، کوئٹہ

چلو کچھ دنوں کے لیے دنیا چھوڑ دیتے ہیں فراز
سنا ہے لوگ بہت یاد کرتے ہیں چلے جانے کے بعد

شاعر: احمد فراز — پسند: آمنہ تسنیم، اسلام آباد

عجیب قحط پڑا ہے کہ پیٹ بھرنے کو
میں راز بیچتا پھرتا ہوں اپنے یاروں کے

شاعر: محسن نقوی — پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

ایک بچے کی طرح خود کو بٹھا کر سامنے
خوب خود کو کوستا ہوں، خوب سمجھاتا ہوں میں

شاعر: عباس تابش — پسند: خرم خان، نارتھ کراچی

دل سا ہوگا نہ کوئی عالی ظرف
ٹوٹ کر بھی صدا نہیں دیتا

شاعر: شعری بھوپالی — پسند: فرقان سعید، ملتان

وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تُو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں

شاعر: اسلم انصاری — پسند: محمد بلال حیدر، نارتھ کراچی

آسمان پر چاند نکلا بھی تو کیا
گھر کی تاریکی نمایاں ہوگئی

شاعر: اسحاق اطہر — پسند: عثمان حامد، سکھر

سمٹ رہے ہیں ستاروں کے قافلے انور
پڑوسیوں کو، مگر کوئی جانتا بھی نہیں

شاعر: انور مسعود — پسند: عائشہ فرازیہ، عزیز آباد

آگئی کام اپنی بربادی
دوست اب مسکرا کر ملتے ہیں

شاعر: آفاق جعفری — پسند: سید مازعلی ہاشمی، کورنگی

انکساری، پاسداری، سب رواداری گئی
جب تکبر نے کہا بڑھ کر، میاں! میں بھی تو ہوں

شاعرہ: نصرت مہدی — پسند: شمائم عمران، نارتھ کراچی

نونہال خبرنامہ

سرمد خالد، کراچی

۸ سالہ نونہال نے بلند ترین چوٹی سر کی

پاکستان کے علاقے ہنزہ سے تعلق رکھنے والے ۸ سالہ نونہال محسن علی نے ۶ ہزار ۵۰۰ فیٹ بلند چوٹی ''امتگلنگ'' سر کر کے ایک رکارڈ قائم کیا ہے۔ نونہال محسن علی مہم جوئی کے سفر پر اپنے والد کے ساتھ ۲۵ جنوری کو روانہ ہوا اور ۲۸ جنوری ۲۰۱۴ء کو اتنی بلند چوٹی اپنی ہمت اور جذبے سے سر کر کے اپنے ہم عمروں، بلکہ بڑوں کے لیے بھی ایک مثال قائم کردی۔

بچوں کے خصوصی موبائل فون متعارف

بچوں کے لیے تیار کردہ موبائل فون آیندہ سال برطانیہ میں فروخت کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ ایک سروے کے مطابق آئرلینڈ میں تقریباً تین لاکھ بچے موبائل فون استعمال کر رہے ہیں۔ ان میں دس سال سے کم عمر بچے بھی شامل ہیں۔ ''اوٹو'' نامی کمپنی نے بچوں کے لیے پچاس یورو مالیت کے خصوصی موبائل فون تیار کیے ہیں، جنھیں چار سالہ بچے بھی آسانی سے استعمال کر سکیں گے۔

تین سالہ ذہین کتا

کتوں کی وفاداری اور خلوص کے قصے تو لوگوں نے بہت سنے ہیں، لیکن ان کی ذہانت کے بارے میں کم سنا گیا ہے۔ جنوبی چین کے صوبے ''گوانگ ڈونگ'' سے تعلق رکھنے والے ''لازائی'' نامی کتے نے اپنی غیر معمولی صلاحیت کے باعث شہرت حاصل کرلی ہے۔ تین سالہ یہ کتا اپنے مالک ''شاؤ'' کی جانب سے پوچھے گئے جمع، تفریق اور ضرب کے سوالات کا بالکل صحیح جواب دیتا ہے۔ مثلاً اگر لازائی سے پوچھے گئے سوال کا جواب ۲۳ ہے تو یہ اتنی ہی بار آواز نکال کر جواب دیتا ہے۔ ☆

سوتیلی ماں

زریں حنا

"کامران! کامران بیٹا! کہاں ہو تم؟ جلدی سے آ کر ناشتا کر لو، اسکول کے لیے دیر ہو رہی ہے۔" نفیسہ بیگم دیر سے کامران کو آوازیں دے رہی تھیں، لیکن ایسا لگتا تھا کہ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ وہ اسی طرح بے پروا بن کر کھڑا تھا، جیسے آواز اسے سنائی نہ دے رہی ہو۔

"کامران! کامران!" آخر نفیسہ بیگم آوازیں دیتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں، جہاں وہ اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

"کامران! آؤ بیٹا، جلدی سے ناشتا کر لو، ورنہ اسکول کی وین نکل جائے گی۔" انھوں نے کہا، لیکن وہ پہلے کی طرح بے نیاز تھا۔ کوئی جواب دیے بغیر تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

کامران کے والد ڈاکٹر عمران ناشتے کی میز پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کامران نے انھیں سلام کیا اور جلدی جلدی ناشتا کرنے لگا، کیوں کہ اس کو واقعی دیر ہو چکی تھی۔ اتنے میں وین کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس نے دودھ کا گلاس خالی کر کے نیچے رکھا اور ڈاکٹر عمران کو اللہ حافظ کہہ کر بھاگتا ہوا باہر چلا گیا۔ پاس ہی نفیسہ بیگم کھڑی تھیں، لیکن کامران نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں، جس پر وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔ یہ صرف آج کا نہیں روز کا معمول تھا۔ کامران نفیسہ بیگم کو روز اسی طرح نظر انداز کرتا تھا۔

کامران اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ وہ جب دس سال کا تھا تو اس کی والدہ

ایک ہوائی حادثے میں چل بسیں۔ اس کی عمر اتنی نہیں تھی کہ وہ اس حادثے اور اپنی زندگی کی اس کمی کو آسانی سے برداشت کر سکتا۔ ایسے موقع پر اس کے والد ہی اس کے لیے ماں اور باپ دونوں بن گئے۔ انھوں نے اس کو بہت پیار دیا۔ عمران صاحب ایک ذمے دار باپ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قابل اور فرض شناس ڈاکٹر بھی تھے۔ انھیں اپنے اسپتال کے ساتھ ساتھ ایک خیراتی فری ڈسپنسری کو بھی وقت دینا ہوتا تھا۔ اس دوران کامران گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ ملازمین تو تھے، لیکن گھر میں ایک ایسی خاتون کی ضرورت تھی، جو گھر کے ساتھ ساتھ کامران کا بھی خیال رکھے۔ ان حالات میں بزرگوں کے مشورے سے انھوں نے نفیسہ بیگم سے شادی کر لی۔ کامران اب بارہ سال کا ہو چکا تھا۔ نفیسہ بیگم ایک بہت اچھی اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ ان کا مزاج عام عورتوں سے مختلف اور مثالی تھا۔ وہ کامران سے بہت محبت کے ساتھ پیش آتیں، لیکن کامران ان سے بہت بدتمیزی کرتا تھا۔

دراصل ڈاکٹر عمران نے دوسری شادی کا ارادہ کیا تو ان کے کچھ رشتے داروں نے بہت سے خدشات کا اظہار کیا تھا اور کامران کے دل میں بھی یہ بات ڈال دی تھی کہ سوتیلی ماں بہت ظالم ہوتی ہے۔ وہ بچوں کو مارتی پیٹتی ہے، ان سے سارے گھر کے کام کاج کراتی ہے اور بچوں کے باپ کے سامنے بہت اچھی بن جاتی ہے۔ اس طرح بچوں پر ہونے والی زیادتی کا باپ کو علم نہیں ہو پاتا۔ یہ ان ہی باتوں کا اثر تھا کہ کامران اپنی سوتیلی ماں سے لاتعلق رہتا تھا۔ وہ بہت چڑچڑا ہو گیا تھا۔ نفیسہ بیگم اس سے جو کہتیں وہ ضد میں بالکل الٹا عمل کرتا تھا۔ اگر وہ کہتیں کہ دودھ پی لو تو وہ دودھ کے بجائے جوس پی لیتا۔ اگر وہ کہتیں کہ ناشتا کر کے اسکول جاؤ تو وہ جان بوجھ کر ناشتا کیے بغیر چلا جاتا اور ہر بات میں ان سے بہت بدتمیزی کرتا۔ اپنی ان حرکتوں سے کامران نے نفیسہ بیگم کا دل بہت دکھایا۔ وہ بے چاری اس کی بدتمیزیوں پر چپ ہو جاتی تھیں، بلکہ انھوں نے کبھی شوہر سے اس کی

شکایت تک نہیں کی۔ ڈاکٹر عمران نے خود اپنے بیٹے کا برا رویہ دیکھتے ہوئے اسے کئی بار سمجھایا: ''بیٹا! نفیسہ بیگم تمھاری ماں کی طرح ہیں، ان کے ساتھ بدتمیزی نہ کیا کرو۔ وہ تمھارا اتنا خیال رکھتی ہیں تو تم بھی ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا کرو۔''

ایک رات کا ذکر ہے کہ کامران کے ابو ڈاکٹر عمران کی اسپتال میں رات کی ڈیوٹی تھی۔ گھر پر صرف کامران اور نفیسہ بیگم تھے۔ نفیسہ بیگم سو چکی تھیں، جب کہ کامران اپنے کمرے میں امتحان کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک گھر میں ڈاکو گھس آئے۔ انھوں نے کامران کو پستول دکھاتے ہوئے پوچھا: ''سیف کی چابیاں کہاں ہیں؟''

ڈاکوؤں کو دیکھ کر کامران پہلے تو بہت گھبرایا، پھر اس نے کچھ ہمت کی اور بستر کے قریب لگا ہوا ایک سوئچ دبا دیا۔ یہ الارم کا سوئچ ہر کمرے میں اسی لیے لگایا گیا تھا۔ الارم کا شور سن کر لوگ کھڑکیوں سے جھانکنے لگے۔ شاید کسی نے پولیس کو فون بھی کر دیا تھا۔ ڈاکو بدحواس ہو گئے اور اسی افراتفری میں بھاگتے ہوئے ڈاکوؤں سے گولی چل گئی جو کامران کے شانے پر لگی۔ شور سے نفیسہ بیگم کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بھاگی بھاگی کامران کے کمرے میں آئیں۔ تمام صورت حال دیکھ کر وہ بہت پریشان ہوئیں۔ انھوں نے فوراً عمران صاحب کو فون کر کے ایمبولینس منگوائی اور کامران کو فوراً اسپتال لے جایا گیا۔ اس کا بہت خون بہ چکا تھا۔ خون کی فوری ضرورت تھی۔ چیک کرنے پر نفیسہ بیگم کا بلڈ گروپ اس سے میچ ہو گیا۔ چناں چہ نفیسہ بیگم نے اس کو خون دیا اور بروقت آپریشن سے اس کی جان بچ گئی۔ کئی گھنٹے انتہائی نگہداشت والے وارڈ میں گزارنے کے بعد اس کو ایک الگ کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔

صبح کو جب کامران کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر عمران اور نفیسہ بیگم دونوں اس کے پاس بیٹھے ہیں۔ وہ نفیسہ بیگم کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب کامران بات کرنے کے

قابل ہوا تو اس کے والد نے نفیسہ بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''بیٹا! تمھاری ماں کے بروقت تمھیں اسپتال لانے اور خون دینے کی وجہ سے تمھاری جان بچی ہے۔ میں تم سے کہتا تھا نا کہ یہ بہت اچھی خاتون ہیں۔''

یہ حقیقت جان کر کامران بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے اپنے والد اور والدہ سے اپنے غلط رویے اور بدتمیزی کی معافی مانگی۔

''کوئی بات نہیں بیٹے! صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔'' نفیسہ بیگم یہ کہہ کر کامران کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

اب کامران اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ہر سوتیلی ماں، سوتیلی نہیں ہوتی۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپی؟

اس لیے کہ تحریر ◆ دل چسپ نہیں تھی۔ ◆ بامقصد نہیں تھی۔ ◆ طویل تھی۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی۔ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھے تھے۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو۔ ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے۔ ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ ''کیا یہ چھپ جائے گی؟'' ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کی باری جلد آتی ہے۔ ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کر کے بھیجیے۔ ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو۔ ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے۔ ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتے کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے۔ ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے۔ ◆ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں۔ ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ قول بہت مشکل نہ ہو۔ ◆ علم دریچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ تحریر کسی مخصوص فرقے، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو۔ ◆ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو۔ ◆ نونہال بلاعنوان کہانی نہ بھیجیں۔ ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے۔ ◆ اشاعت سے معذرت میں صرف کہانیوں اور مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ◆ باقی چھوٹی چھوٹی تحریریں ناقابل اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں۔ ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے۔ ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے۔ ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

ملازم بچے

نسرین شاہین

گھروں میں کام کرنے والے غریب بچے اپنی خوشی سے نہیں، بلکہ مجبوری کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ یہ ملازم بچے تعلیم، کھیل کود اور بے فکری کی زندگی سے محروم رہتے ہیں اور صرف گھر کے مالک، مالکن اور ان کے بچوں کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں ہر پانچ میں سے تین بچے خوش حال گھرانوں میں ملازمت کرتے ہیں۔

بعض گھرانوں میں ملازم بچے مخصوص اوقات کے لیے کام کرتے ہیں۔ مثلاً صبح سے شام تک وہ مختلف گھریلو کام انجام دیتے ہیں، جب کہ زیادہ تر ملازم ایسے ہیں، جو مستقل مالک کے گھر میں ہی رہتے ہیں، اس لیے ان کے کام کے اوقات مقرر نہیں ہوتے۔ چوبیس

گھنٹوں کی خدمت گزاری میں مختلف نوعیت کے کام شامل ہیں۔ مثلاً برتن دھونا، کھانا پکانا، کپڑے دھونا، گھر کی صفائی کرنا، چھوٹے بچوں کو سنبھالنا، بازار سے سودا لانا اور دوسرے گھریلو کام کاج کرنا وغیرہ۔

گھریلو ملازم بچوں کو دن رات محنت اور مشقت کے بدلے میں بہت معمولی معاوضہ دیا جاتا ہے۔ ان کا معاوضہ بھی ان کے والدین یا سرپرست لیتے ہیں۔ بچوں کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ سوائے اس کے کہ ان بچوں کو دو وقت کی روٹی اور رہنے کے لیے چھت مل جاتی ہے۔ غریب والدین معمولی معاوضوں پر اس لیے راضی ہو جاتے ہیں کہ ایک تو وہ اپنے بچوں کو روٹی کھلانے کے بوجھ سے آزاد ہو جاتے ہیں، دوسرے بچے گلیوں میں بے کار پھرنے کے بجائے گھروں، دکانوں یا کارخانوں میں کام کر کے کچھ نہ کچھ رقم کما لیتے ہیں۔

بچوں کو ملازم رکھنے والے اس لیے مطمئن ہوتے ہیں کہ وہ کام جو ایک بڑی عمر کا ملازم ہزاروں رپے میں کرتا ہے، وہی کام ملازم بچہ چند سو رپے کی معمولی رقم میں کرتا ہے۔ بہت کم گھرانے ایسے ہیں، جہاں ان ملازم بچوں کو دن رات کی محنت مشقت کا مناسب معاوضہ دیا جاتا ہے، لیکن یہ پیسے ان بچوں کے کسی کام نہیں آتے، وہ ان سے اپنی پسند کی کوئی چیز نہیں خرید سکتے، کیوں کہ یہ پیسے ان کے والدین لیتے ہیں۔ بچوں کو پرانے کپڑے پہننے کو ملتے ہیں، وہ اپنے مالک کے بچوں کو پڑھتے ہوئے، کھلونوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے اور اپنی پسند کی چیزیں کھاتے ہوئے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

آپ کے گھر میں بھی اگر کوئی بچہ ملازم ہے تو اس محنت کش بچے کی طرف والدین کی توجہ دلائیں۔ خود اس کی مدد کریں، یعنی گھریلو کام کاج میں اس کی تھوڑی مدد کر دیں، تاکہ آپ کو بھی کام کی عادت ہو اور کوشش کریں کہ اپنے کام آپ خود ہی

کریں، ملازم بچے سے نہ کروائیں۔

ملازم بچے بھی آپ ہی کی عمر کے ہوتے ہیں۔ ان کا بھی دل چاہتا ہوگا کہ وہ بھی صاف ستھری یونی فارم پہن کر اسکول جائیں، وہ اسکول نہیں جاسکتے، مگر آپ انھیں گھر پر پڑھا ضرور سکتے ہیں۔ روزانہ ایک مخصوص وقت انھیں پڑھانے کے لیے مقرر کرلیں اور کم از کم اتنا ضرور پڑھا دیں کہ وہ آسانی لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں۔ اگر زیادہ سے زیادہ پڑھا سکیں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ ملازم بچوں کو تعلیم دینا بہت بڑی نیکی ہے۔ یہ نیکی کرنے کی ضرور کوشش کریں۔ اسی طرح یہ معصوم اور خوشیوں سے محروم بچے جب آپ کو اپنے پسندیدہ کھلونے کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھتے ہوں گے تو ان کا دل بھی یقیناً کھیلنے کے لیے چاہتا ہوگا۔ آپ ان کی یہ خواہش اس طرح پوری کردیں کہ انھیں اپنے ساتھ کھیل میں شریک کریں یا اپنے کچھ کھلونے انھیں کھیلنے کے لیے دے دیں اور انھیں یہ سمجھا دیں کہ کھیلنے کے وقت ہی کھیلیں، تاکہ انھیں آسانی کے ساتھ کھیلنے کا موقع مل سکے اور وہ خوب مزے سے کھیل سکیں۔

آپ دیکھیں گے کہ ملازم بچوں کو چھوٹی چھوٹی خوشیاں دے کر خود آپ کو بھی خوشی ملے گی۔ آپ ان ملازم بچوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور محبت سے پیش آئیں، ان کی ضرورتیں پوری کریں اور انھیں اچھا کھانے کو دیں۔ ان کے لیے وہی کچھ پسند کریں، جو آپ اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ ملازم بچے صرف غربت کی وجہ سے گھریلو ملازم بننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تعلیم، تربیت، کھیل اور دیگر خوشیوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ گھریلو ملازم بچے گھر والوں کی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان پر توجہ دیں، ان کی ہر ممکن مدد کریں، ان سے اخلاق اور نرمی کے ساتھ پیش آئیں۔ انھیں خوشیاں دیں اور خود بھی خوش رہیں۔

☆

گرمی

شمس القمر عاکف

گنتی کے دو چار مہینے گرمی کے
پر خاصے دشوار مہینے گرمی کے

ہمت سے گر کام نہ لے انسان تو پھر
بن جاتے ہیں بار مہینے گرمی کے

جی چاہے کہ شہر مری کا رخ کرلیں
گزریں ٹھنڈے ٹھار مہینے گرمی کے

بجلی بھی کچھ روٹھی روٹھی لگتی ہے
مشکل ہیں اس بار مہینے گرمی کے

پڑھنے لکھنے میں مصروف رہو بچو!
گزریں کیوں بے کار مہینے گرمی کے

ہم سب کے من بھائے میٹھے پھل
کرتے ہیں تیار مہینے گرمی کے

جو رب موسم سردی کا دکھلاتا ہے
اُس کا ہی اظہار مہینے گرمی کے

بے بات کی بات

مسعود احمد برکاتی

بہت دنوں کا ذکر ہے۔ ایک سمندر پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ کوئی آدمی نہیں تھا، بلکہ مچھلیوں کا بادشاہ مچھلا تھا۔ اس کو سمندر کے سب باشندے ''شاہ مچھلا'' کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ مچھلا بیمار ہو گیا۔ بڑا سخت بیمار ہوا۔ حکیم، ڈاکٹر سب ہی تو کر ڈالے، مگر وہ اچھا ہوتا تھا نہ ہوا۔ سب مچھلیاں پریشان تھیں۔ آپس میں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں اور بادشاہ کی اس طویل بیماری کا ذکر ہو رہا تھا کہ اُدھر سے کچھوے خاں کا گزر ہوا۔ کچھوے خاں تو ہیں ہی ڈینگیں مارنے میں طاق، وہاں بیٹھ کر بھی گپیں مارنے لگے۔ بولے کہ بادشاہ سلامت کا علاج میں اور صرف میں ہی کر سکتا ہوں اور کسی کے علاج سے وہ کبھی اچھے نہ ہوں گے۔

اب کیا تھا۔ اُڑتے اُڑتے یہ بات شاہ مچھلا کے کانوں میں بھی پہنچی۔ وہ تو تھا ہی پریشان۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اس نے کچھوے خاں کو فوراً دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا: ''کیوں کچھوے خاں! کیا تم واقعی میرا علاج کر سکتے ہو؟''

اب تو کچھوے خاں بڑے گھبرائے، مگر کرتے کیا۔ بات منہ سے نکل چکی تھی اور بادشاہ کے رعب کا اثر بھی تھا۔ بات کو نبھایا: ''حضور! علاج ہونے میں تو کچھ دیر نہ لگے گی، مگر دوا کے لیے ایک زندہ خرگوش کی آنکھ چاہیے۔''

شاہ مچھلا نے کہا: ''یہ کون سی بڑی بات ہے۔ کسی خرگوش کو تم گھیر گھار کر یہاں لے آؤ۔ آگے میں سنبھال لوں گا۔''

چار و نا چار کچھوے خاں دانتوں میں انگلیاں دیے خرگوش کی تلاش میں چلے۔ چلتے چلتے ایک پہاڑی پر پہنچے۔ وہاں قسمت کا مارا ایک خرگوش اُچھل کود کر اپنا دل بہلا رہا تھا۔ کچھوے خاں نے بڑی مسکین صورت بنا کر کہا: ''سلام عرض کرتا ہوں خرگوش بھائی!''

خرگوش خوش اخلاقی سے بولا: ''آداب عرض۔''

کچھوے نے قریب کھسکتے ہوئے کہا: ''کہو خرگوش بھائی! کیا ہو رہا ہے؟''

''ہو کیا رہا ہے، دل گھبرا رہا تھا، ذرا تفریح کے لیے یہاں چلا آیا۔''

''تفریح! یہاں کیا تفریح ہو گی۔ یہ بھی کوئی جگہ ہے۔ اگر تفریح کرنی ہے تو سمندر چلو۔ ہمارے بادشاہ کے محل اور باغات دیکھو تو تمھیں پتا چلے کہ اس دنیا میں کیا کیا چیزیں ہیں۔ یہاں تو بس جھاڑ جھنکار ہے۔''

غرض خرگوش کو بہلا پھسلا کر کچھوے خاں شاہ مچھلا کے محل کی طرف لے چلے۔ جب سمندر آیا تو پیٹھ پر بٹھا لیا۔ محل پہنچ کر ایک کمرے میں اُتارا اور تھوڑی دیر انتظار کرنے کے لیے کہہ کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔

''حضور! حکم کے مطابق ایک خرگوش کو احمق بنا کر لے آیا ہوں۔ اب اس کی آنکھیں نکلوانا سرکار کا کام ہے۔ بس پھر آپ کے اچھے ہونے میں بھی دیر نہ ہو گی۔''

یہ بات چیت خرگوش نے سن لی اور ڈر کے مارے اس کا خون خشک ہو گیا۔

''الٰہی! اب کیا ہو گا؟ میں کہاں آن پھنسا۔'' خیر سوچتے سوچتے اس نے ایک ترکیب سوچ لی۔

جب کچھوا واپس آیا تو خرگوش نے اس سے کہا: ''کچھوے بھائی! آپ کا بہت

بہت شکریہ، آپ نے مجھے اتنی اچھی جگہ کی سیر کرائی۔ عمدہ عمدہ چیزیں دکھلائیں، مگر مجھے افسوس ہے کہ میں جلدی میں اپنی اصلی آنکھیں لانا بھول گیا اور یہ شیشے کی آنکھیں ہیں، جن سے مجھے اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا اور نہ وہ لطف آتا ہے جو اصلی قدرتی آنکھوں سے آنا چاہیے۔ میری اصلی آنکھیں بہت حفاظت سے گھر میں رکھی ہوئی ہیں۔ ان سے یہ چیزیں دیکھوں گا تو اور بھی لطف آئے گا، مگر......"

کچھوا جلدی سے بولا: "تم ابھی میرے ساتھ چل کر اپنی اصلی آنکھیں لا سکتے ہو۔"

خرگوش جلدی سے راضی ہو گیا۔ وہ تو چاہتا ہی یہی تھا۔ چناں چہ فوراً کچھوے خاں کی پیٹھ پر بیٹھ کر سمندر سے باہر آ گیا اور کنارے پر اس کی پیٹھ سے اُتر کر بھاگتا چلا گیا۔

تھک ہار کر کچھوے خاں گردن جھکائے، منھ لٹکائے شاہ مچھلا کی خدمت میں پہنچے اور سارا قصہ سنایا۔

مگر بادشاہ کو اس کی بات پر یقین نہ آیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بہانہ کر رہا ہے۔ اس نے کہا: "تم جھوٹ بولتے ہو، یہ سب تمھاری حرکت ہے۔ تم میرا علاج کر کے مجھے اچھا کرنا نہیں چاہتے، تاکہ میرے مرنے کے بعد میرے تخت پر قبضہ کرو اور ٹھاٹھ سے حکومت کرو، لہٰذا ما بدولت سازش کے الزام میں تمھیں موت کی سزا دیتے ہیں۔" جلاّد نے حکم سنتے ہی کچھوے خاں کا سر تن سے جدا کر دیا۔

سمندر کے باشندے آپس میں بیٹھے کانا پھوسی کر رہے تھے کہ بے فائدہ باتیں کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ نہ کچھوا بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا اور نہ آج اس کو یہ دن دیکھنا پڑتا۔

☆

دولت یا زندگی

عائشہ کلثوم

۸ جولائی ۱۸۳۹ء کو امریکا کے دارالحکومت نیو یارک کے ایک گاؤں رچ فورڈ میں ایک بچے راک فیلر کی پیدائش ہوئی۔ چھے بہن بھائیوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔

راک فیلر ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوا، اس کا بچپن اپنے خاندان کے ساتھ ایک زرعی فارم پر گزرا، لیکن اس کا دماغ بچپن سے ہی کاروباری تھا۔ اگر وہ اپنے جیب خرچ سے ٹافی خریدتا تو کچھ منافع میں اسے اپنے بہن بھائیوں کو بیچ دیتا، یعنی وہ بچپن ہی سے کاروباری ہو گیا تھا اور دولت حاصل کرنے کے لیے دیوانہ وار دوڑنے لگا۔

اس نے ۱۸۵۹ء میں "راک فیلر اینڈ کلارک" کے نام سے ذاتی کمپنی کی بنیاد رکھی، پھر وہ آگے بڑھتا ہی گیا۔ دولت حاصل کرنا اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔ کسی بھی قیمت پر زیادہ سے زیادہ منافع اور کم سے کم خرچ۔ وہ کنجوس ہونے کے ساتھ ساتھ حریص بھی ہو گیا تھا۔ جہاں تھوڑا سا بھی نقصان ہوتا، وہ سخت پریشان ہوتا۔ اُسے اپنا دل ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا۔

ایک دفعہ راک فیلر نے چالیس ہزار ڈالر کا غلہ بحری جہاز سے کہیں بھیجا، مگر اپنی کنجوس طبیعت کی وجہ سے اس نے غلے کا بیمہ اس لیے نہ کرایا کہ ڈیڑھ سو ڈالر کی رقم ادا کرنا پڑتی۔ غلے سے لدا جہاز جب راستے میں تھا تو طوفان کی خبریں آنے لگیں، راک فیلر گھبرایا اور مایوس ہونے لگا، مگر اُمید کی اک کرن نظر آئی کہ بیمہ اب بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن پریمیم کی رقم میں کچھ اضافہ ہوگا۔ اس نے بیمہ کمپنی کے آفس میں اپنے ساتھی کو بیمہ کرانے کے لیے بھیجا، جب اس کا ساتھی بیمہ کروا کر واپس آیا تو ایک تار موصول ہوا، جس میں لکھا

تھا کہ جہاز طوفان سے نکل گیا ہے۔ گویا ڈیڑھ سو ڈالر کی رقم بے کار خرچ ہو گئی تھی۔

راک فیلر کو اتنا بڑا صدمہ ہوا کہ وہ دفتر سے نکلا اور گھر جا کر لیٹ گیا۔

راک فیلر کو ادب، شاعری یا کھیل تماشوں سے کوئی رغبت نہ تھی، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ ان پر ایک لمحہ خرچ کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ ان بے کار چیزوں پر وقت خرچ کرنے کے بجائے وہی لمحے پیسے کمانے میں کیوں نہ لگائے جائیں۔

راک فیلر کے ایک ساتھی نے اس کو اپنے ساتھ سیر و تفریح کی دعوت دی، مگر اس کا جواب تھا کہ تم بہت فضول خرچ انسان ہو، اپنے ساتھ ساتھ میرا وقت اور کاروبار بھی تباہ کرنا چاہتے ہو۔

پریشانیوں اور ذہنی کشمکش کی وجہ سے راک فیلر ۵۳ سال کی عمر میں بوڑھا ہو گیا۔ اس کے شانے جھک گئے اور وہ اپنے سر کے بالوں اور پلکوں تک سے محروم ہو گیا۔ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق اس کو دولت یا زندگی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا، کیوں کہ یہ بیماری اس کی اعصابی پستی، ذہنی کشمکش اور پریشانی کی وجہ سے تھی۔

راک فیلر نے زندگی کا انتخاب کیا اور اس نے دولت سے محبت ختم کرنے کے لیے فلاحی کاموں میں اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ خرچ کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے اسی جذبۂ خدمت کی وجہ سے ایک فلاحی ادارہ ''راک فیلر فاؤنڈیشن'' کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارے کا مقصد بیمار لوگوں کی خدمت اور انسانی جانوں کو ضائع ہونے سے بچانا تھا۔

اس کے ادارے نے دنیا بھر کے فلاحی اداروں اور بیماروں کی مدد کی۔ ۱۸۹۲ء میں اس نے مالی طور پر کم زور ایک کالج کو لاکھوں ڈالر کی امداد دی، بعد میں وہی کالج معیاری تسلیم کیا گیا، بلکہ اسے ترقی دے کر یونی ورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

۱۹۰۱ء میں نیو یارک شہر کو اپنے ایک ادارے ''راک فیلر انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ'' کے لیے چنا گیا، جو اب راک فیلر یونی ورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔ اس ادارے کی بہت سی خدمات ہیں۔

۱۹۳۲ء میں چین میں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں ہلاک ہو گئے تھے۔ آخر ''راک فیلر میڈیکل کالج'' کی ارسال کردہ ویکسین سے لاکھوں ملکی اور غیر ملکی افراد اس متعدی مرض سے محفوظ کر دیے گئے اور عوام کو ان سے محفوظ کرنے کے اقدامات کیے گئے، جن میں تپ دق، ملیریا، انفلوائنزا، خناق اور گردن توڑ بخار شامل ہے۔ ''راک فیلر فاؤنڈیشن'' ۱۹۱۳ء تک اندازاً ۹۰۰ ملین ڈالر تک انسانی فلاح و بہبود پر خرچ کر چکی ہے۔

راک فیلر کی ذاتی زندگی صاف ستھری اور سادہ تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کئی پیشے اختیار کیے۔ فلاحی کام کرنے کے بعد اس کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور دولت سے محبت و حرص ختم ہو کر رہ گئی۔

راک فیلر کی پہچان امریکا کے بہت بڑے صنعت کار کی تھی، جس نے اپنی محنت سے اسٹینڈرڈ آئل کمپنی، یونی ورسٹی آف شکاگو اور راک فیلر فاؤنڈیشن قائم کی اور انسانیت کی خدمت بھی کی۔

ایک دفعہ موت کے منہ سے نکل آنے کے بعد یہ عظیم شخص انسانیت کی خدمت میں ایسا مشغول ہوا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں امر ہو گیا۔

راک فیلر نے ۲۳ مئی ۱۹۳۷ء میں فلوریڈا کے مقام پر وفات پائی۔

☆☆☆

انعامی سلسلہ ۲۲۱

معلوماتِ افزا

سلیم فرخی

معلوماتِ افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- مئی ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کے والد کا نام .... تھا۔ (عدنان - نعمان - عمران)

۲۔ قرآن پاک کے سب سے پہلے حافظ .... تھے۔
(حضرت زید بن حارثہؓ - حضرت زید بن ثابتؓ - حضرت عثمان غنیؓ)

۳۔ امیر تیمور نے .... میں ہندستان پر حملہ کیا تھا۔ (۱۳۸۹ء - ۱۳۹۸ء - ۱۴۰۲ء)

۴۔ فارسی زبان میں علامہ اقبال کی پہلی کتاب .... ہے۔ (اسرارِ خودی - رموزِ بے خودی - پیامِ مشرق)

۵۔ ۱۱- ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم کا انتقال ہوا، اس روز .... تھا۔ (پیر - بدھ - ہفتہ)

۶۔ مشہور انقلابی شاعر حبیب جالب کا انتقال مارچ .... میں ہوا تھا۔ (۱۹۹۳ء - ۱۹۹۰ء - ۱۹۹۷ء)

۷۔ پاکستان کی مسلح افواج کے زیرِ تربیت آفیسر کو .... کہا جاتا ہے۔ (رنگروٹ - کیڈٹ - کموڈور)

۸۔ "BENZOIN" انگریزی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (سونف - کافور - لوبان)

۹۔ عبداللہ گل .... کے موجودہ صدر ہیں۔ (ایران - ترکی - عراق)

۱۰۔ بل کلنٹن امریکا کے .... ویں صدر تھے۔ (۴۱ - ۴۲ - ۴۳)

۱۱۔ .... وہ آلہ ہے، جس سے بلندی کی پیمائش کی جاتی ہے۔ (پارہ میٹر - آلٹی میٹر - ہائیڈرو میٹر)

۱۲۔ "مجروح" .... زبان میں زخمی کو کہتے ہیں۔ (عربی - فارسی - ہندی)

۱۳۔ اسلامی ملک شام کی کرنسی .... کہلاتی ہے۔ (درہم - ریال - پاؤنڈ)

۱۴۔ ویت نام براعظم .... میں واقع ہے۔ (یورپ - ایشیا - افریقہ)

۱۵۔ اردو زبان کا محاورہ ہے: .... جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تب اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ (اونٹ - گھوڑا - زیبرا)

۱۶۔ علامہ اقبال کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:
نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ....
(مالی - ہاری - ساقی)

کوپن برائے معلوماتِ افزا نمبر ۲۲۱ (مئی ۲۰۱۴ء)

نام: ....

پتا: ....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- مئی ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (مئی ۲۰۱۴ء)

عنوان: ....

نام: ....

پتا: ....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ - مئی ۲۰۱۴ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکایئے۔

پاکستان کا پرچم

سید سخاوت علی جوہر

خزاں میں حوصلہ دیتا ہے پاکستان کا پرچم
نیا اک ولولہ دیتا ہے پاکستان کا پرچم

کبھی تحریکِ آزادی کا مقصد ہم نہ بھولیں گے
کہ سوتے میں جگا دیتا ہے پاکستان کا پرچم

کبھی جو منتشر تھے اُن کو اس نے ہی کیا یکجا
محبت کو بڑھا دیتا ہے پاکستان کا پرچم

اُفق کی وسعتوں میں ایسا لہراتا ہے کہ دل کو
ستارہ سا بنا دیتا ہے پاکستان کا پرچم

کسے اُلفت نہیں میرے وطن کی پاک مٹی سے
ہمیں سب کچھ بتا دیتا ہے پاکستان کا پرچم

فضا میں اس کا لہرانا ضروری ہے سنو تم بھی
مسلسل یہ صدا دیتا ہے پاکستان کا پرچم

ہزاروں نفرتوں کے بیچ درسِ عشق جوہرؔ کیوں
کہ رنگ اپنا جما دیتا ہے پاکستان کا پرچم

😊 ایک بے وقوف وزیر بننے کے بعد اسپتال کے دورے پر گیا۔ وہاں دو مریضوں کو آکسیجن دی جا رہی تھی اور ایک مریض کو ڈرپ لگی تھی۔ وزیر نے ڈاکٹر سے پوچھا: ''دو مریضوں کو تو CNG لگی ہوئی ہے اور تیسرے کو کیوں نہیں لگائی گئی؟''

ڈاکٹر نے ڈرپ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: ''سر! یہ مریض پیٹرول پر چل رہا ہے۔''

مرسلہ : حفصہ وسیم، کراچی

😊 ایک تانگے میں بہت سی سواریاں بیٹھی تھیں۔ گھوڑا اچانک چلتے چلتے رک جاتا اور کوچوان نیچے اُتر کر اس کے سامنے ناچنے گانے لگتا تو گھوڑا فوراً چل پڑتا۔

جب کئی بار ایسا ہوا تو سواریوں نے تنگ آ کر پوچھا: ''بھئی تانگے والے! یہ کیا معاملہ ہے، تمھارا گھوڑا گانا سن کر کیوں چل پڑتا ہے؟''

تانگے والے نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ''دراصل یہ گھوڑا شادی میں دولھا اور باجے والوں کے ساتھ جاتا ہے، اس لیے یہ گانا سن کر ہی چلتا ہے۔''

مرسلہ : عزیز عمر بخش، حیدر آباد

😊 خاتون (پھل فروش سے): ''تم نے میرے بیٹے سے دو کلو آموں کے پیسے وصول کیے، لیکن جب میں نے آموں کا وزن کیا تو وہ صرف ایک کلو نکلے۔''

پھل فروش: ''محترمہ! ذرا، اپنے بیٹے کو بھی تول کر دیکھیں۔''

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

😊 ایک خاتون اپنے شوہر کی دل کی بیماری سے بہت پریشان تھیں۔ ڈاکٹر نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے شوہر کا دل تبدیل کرالیں۔

خاتون راضی ہو گئیں اور دل بدل دیا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد خاتون ڈاکٹر کے پاس آئیں اور اس سے شکایت کی: ''ڈاکٹر صاحب! میرے شوہر بالکل بدل گئے۔

پہلے جو بھی وعدہ کرتے تھے اسے پورا کرتے تھے، مگر اب وعدے زیادہ کرتے ہیں پورا ایک بھی نہیں کرتے۔''

ڈاکٹر یہ سن کر مسکرایا اور کہا: ''محترمہ! آپریشن کے وقت میرے پاس کسی عام آدمی کے بجائے ایک سیاسی لیڈر کا دل تھا، میں نے وہ ہی لگا دیا تھا۔''

مرسلہ : ثمامہ انور، گوجرانوالہ

😊 ایک آدمی دوسرے آدمی سے: ''یہ قبر اس شخص کی ہے، جس نے مرتے وقت اپنا سب کچھ فراخ دلی سے یتیم خانے کو دے دیا۔''

دوسرا آدمی: ''واہ وا، سبحان اللہ! اس نے یتیم خانے کو کیا دیا؟''

پہلا آدمی: ''سات لڑکے اور چھے لڑکیاں۔''

مرسلہ : نوید احمد فرید، کراچی

😊 ایک کنجوس آدمی کے دانت میں درد تھا۔ وہ دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس گیا۔ معائنے کے بعد ڈاکٹر بولا: ''یہ دانت نکالنا پڑے گا اور فیس دو سو روپے ہوگی۔''

کنجوس آدمی جلدی سے بولا: ''یہ لو پچاس روپے اور بس ڈھیلا کر دو، نکال میں خود لوں گا۔''

مرسلہ : عبید الرحمٰن، حیدر آباد

😊 ایک آدمی گنجا تھا۔ ایک دوست نے پوچھا: ''تمھیں اس گنجے پن سے تکلیف تو ہوتی ہوگی؟''

گنجے نے جواب دیا: ''نہیں، بس منھ ہاتھ دھوتے وقت پتا نہیں چلتا کہ چہرہ کہاں تک ہے۔''

مرسلہ : صباء گل محمد اقبال، لسبیلہ

😊 ایک دفعہ ایک بچے نے اپنے والد سے پوچھا: ''کیا یہ بات صحیح ہے کہ والدین کا علم بچوں سے زیادہ ہوتا ہے؟''

''بالکل!'' باپ نے جواب دیا۔

''تو پھر بجلی کا بلب ایڈیسن کے باپ نے کیوں ایجاد نہیں کیا؟'' بیٹے نے پوچھا۔

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

😊 استاد: ''آسیب کا جملہ بناؤ۔''

شاگرد: ''منے جلدی سے آسیب کھالے۔''

مرسلہ : محمد طارق قاسم قریشی، نواب شاہ

😊 مجسٹریٹ (چور سے): "تم پندرھویں بار عدالت میں لائے گئے ہو، اس لیے تم پر پچاس ہزار روپے جرمانہ عائد کیا جائے گا۔"

چور: "حضور! باقاعدہ آنے والے گاہک کے ساتھ کچھ تو رعایت ہونی چاہیے۔"

مرسلہ : شائلہ خرم، کورنگی

😊 ایک بے وقوف کو کسی جگہ نوکری ملی اور نمک دانیاں بھرنے کا کام دیا گیا۔ اس نے پورے دن میں صرف ایک نمک دانی بھری۔ منیجر نے اسے بہت ڈانٹا اور کہا: "تم بہت کام چور ہو۔ تم نے پورے دن میں صرف ایک نمک دانی بھری ہے۔"

بے وقوف نے جواب دیا: "جناب! ان کے سوراخ ہی اتنے چھوٹے ہیں کہ نمک بڑی مشکل سے اندر جاتا ہے۔"

مرسلہ : رفیدہ سحر، حیدرآباد

😊 ایک آدمی اپنے دوست کے گھر گیا۔ واپسی کے وقت تیز بارش ہوگئی۔ دوست نے کہا: "بارش بہت تیز ہے، آج میرے گھر ہی رک جاؤ۔"

اس آدمی نے کہا: "اچھا میں ابھی آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ آدمی واپس آیا تو دوست نے پوچھا: "کہاں گئے تھے؟"

پہلا آدمی: "میں اپنے گھر والوں کو بتانے گیا تھا کہ آج بارش بہت تیز ہو رہی ہے، اس لیے میں اپنے دوست کے گھر ہی رکوں گا۔"

مرسلہ : خدیجہ نثار، کراچی

😊 گائیڈ نے سیاحوں کو تاریخی عمارت کا ایک کمرا دکھاتے ہوئے کہا: "یہ کمرا ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں مہارانی کھانا پکاتے ہوئے بے ہوش ہو گئیں تھیں اور اسی کمرے میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔"

"لیکن چند دن پہلے تو تم نے یہ بات سامنے والے کمرے کے بارے میں کہی تھی؟" ایک سیاح نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

گائیڈ سر گھما کر بولا: "دراصل وہ کمرا آج بند ہے۔"

مرسلہ : تحریم خان، کراچی

☆☆☆

مسکراتی لکیریں

ایک لڑکا درخت سے اُلٹا لٹکا ہوا تھا۔ بہن نے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا: "بھیا! اُلٹے کیوں لٹکے ہوئے ہو؟"

لڑکا بولا: "سر نے کہا تھا کہ تم اُلٹی کھوپڑی کے ہو۔ اُلٹے لٹک جاؤ، میری باتیں تمھاری سمجھ میں آجائیں گی۔"

لطیفہ : علینہ وسیم، کراچی

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام
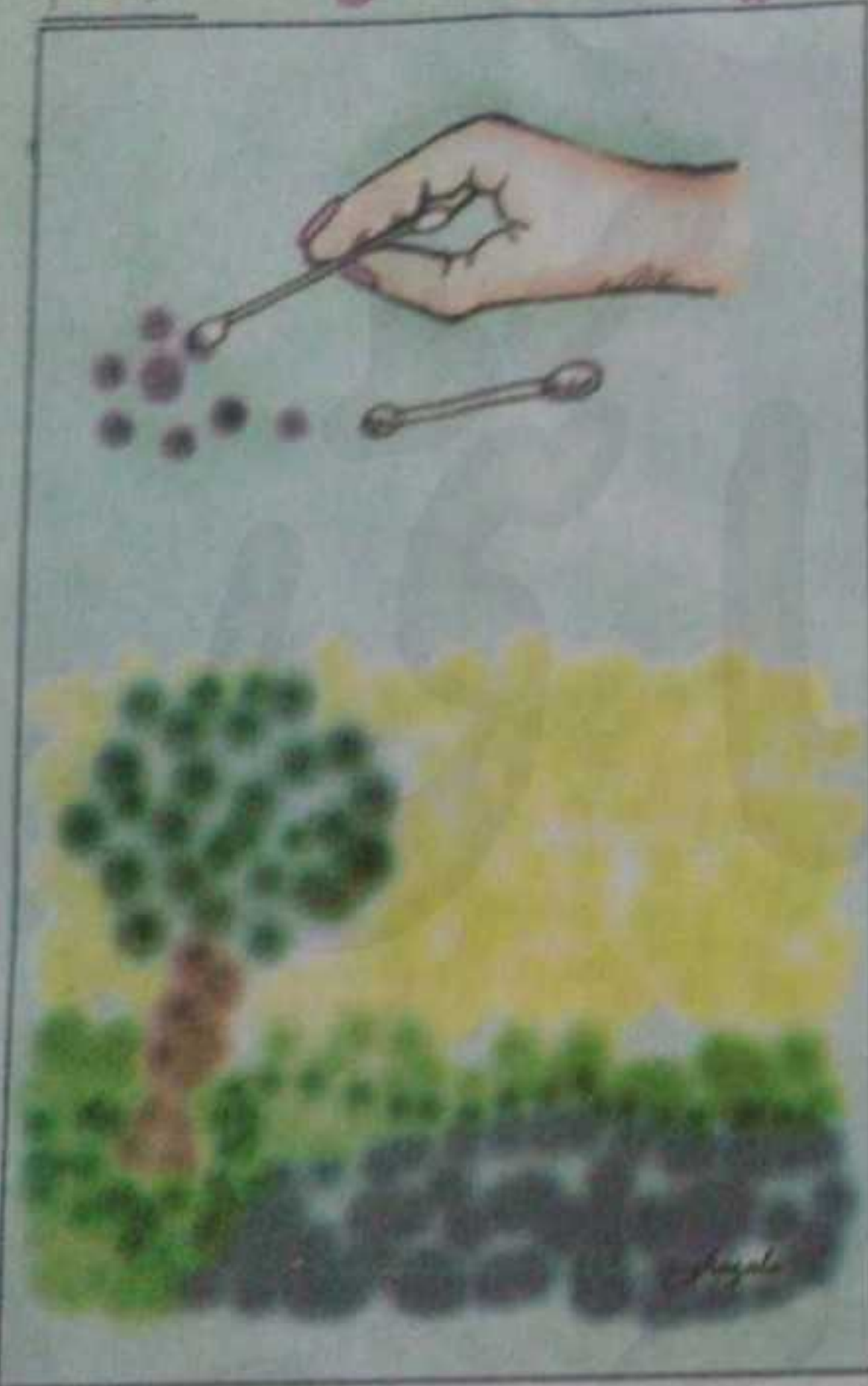
مصوری سیکھنے کے دوران نئے نئے تجربات بھی کیے جا سکتے ہیں۔ اس بار ایسا ہی ایک منفرد طریقہ آپ کو سکھایا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے ایک سادہ کاغذ پر پنسل سے ہلکا سا خاکہ بنائیں۔ اس کے بعد کوئی تنکا یا سلائی جس کے سرے پر روئی لپٹی ہوتی ہے لے لیں۔ یہ عام طور پر کان صاف کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ بازار میں بھی عام دستیاب ہے۔ انگریزی میں اسے COTTON BUD کہتے ہیں۔ اسے رنگ میں ہلکا سا ڈبوئیں اور ہلکے ہاتھ سے نکتوں کی شکل میں خاکے پر لگائیں۔ جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ تصویر میں درخت سبز رنگ سے اور پانی نیلے رنگ میں دکھایا گیا ہے۔

اسی طرح آپ مختلف تصاویر بنا سکتے ہیں۔ ☆

احمقوں کی ہوشیاری

سمعیہ عبدالغفار میمن

کسی گاؤں میں تین دوست رہتے تھے۔ دادو، راجا اور کالو تینوں دوست انتہائی درجے کے کم عقل اور بے وقوف تھے۔ ان میں بہت گہری دوستی تھی۔ ایک ساتھ رہنا، ایک ساتھ کھانا پینا، ایک ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا، غرض ہر کام ساتھ ساتھ کرتے تھے۔ تینوں دوست بے روزگار تھے اور روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ اب تک ان میں سے کسی کو کوئی کام نہیں مل سکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تینوں دوست ایک ہی جگہ ایک ساتھ کام کرنا چاہتے تھے۔ اگر کسی کو کام ملتا بھی تو وہ اس وجہ سے کام کرنے سے انکار کر دیتا کہ اس کے باقی دوستوں کو بھی اس کے ساتھ کام دیا جائے تب ہی وہ کام کرے گا، ورنہ نہیں کرے گا۔

تینوں دوست بے روزگاری کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ ایک دن سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ آخر وہ ایسا کون سا کام کریں کہ تینوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ بہت سوچ بچار کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک رکشا خریدیں گے اور اس کو اپنے روزگار کا ذریعہ بنائیں گے۔ تینوں دوست رکشا خریدنے والی بات پر متفق ہو گئے۔ رکشا خریدنے کے لیے تینوں احمقوں نے اِدھر اُدھر سے قرض لے کر پیسے جمع کر لیے۔ پیسے جمع ہونے کے بعد ایک اور مسئلہ اُٹھا کہ رکشا چلائے گا کون؟

''رکشا میں چلاؤں گا، مجھے آتا ہے رکشا چلانا۔'' راجا نے کہا۔

یہ طے ہو گیا تو تینوں احمق دوست رکشا خریدنے نکل پڑے اور ایک عدد رکشا خرید لائے۔ رکشا خرید کر تینوں دوست بہت خوش تھے۔

''ہم کل ہی سے اپنا کام شروع کر دیں گے۔'' راجا نے کہا۔

کالو نے ہوشیاری دکھاتے ہوئے کہا: ''وہ تو سب ٹھیک ہے، لیکن تم چوں کہ دنیا کے سب سے بھولے انسان ہو، اس لیے ہر کسی کی باتوں میں بھی آ جاتے ہو۔ آج کل کے حالات بھی بہت خراب ہیں۔ اگر تم نے کسی غلط سواری کو رکشا میں بٹھا لیا اور اس نے تم سے رکشا چھین لیا تو! تم اتنے بے وقوف اور بھولے ہو کہ فوراً رکشا لٹا کر آ جاؤ گے۔ نہیں نہیں میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ ابھی تو ہمیں اس رکشے کا قرض بھی چکانا ہے۔ تمھیں لوگوں کی بالکل بھی پہچان نہیں ہے۔ کسی کو بھی رکشے میں بٹھا لو گے اور رکشا گنوا بیٹھو گے۔ رکشا دے کر تمھیں اکیلا بھیجنا مجھے مناسب نہیں لگتا، اس لیے حفاظت کے سارے انتظامات میں خود سنبھالوں گا۔ کس سواری کو رکشے میں بٹھانا ہے اور کس کو نہیں بٹھانا یہ

سارے معاملات طے کرنا میری ذمہ داری ہوگی۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گا اور اچھی طرح چھان پھٹک کر کے اچھے اچھے لوگوں کو ہی رکشے میں بٹھاؤں گا۔''

''تم نے بالکل ٹھیک سوچا ہے۔ جس طرح تمھیں راجا پر بھروسا نہیں ہے بالکل اسی طرح مجھے تم دونوں پر بھروسا نہیں ہے۔ تم دونوں احمقوں کو پیسے کی بالکل بھی قدر نہیں ہے۔ پتا نہیں کس سواری سے مناسب کرایہ لو گے بھی یا نہیں اور اگر میں یہ فرض بھی کر لوں کہ تم دونوں سواریوں سے کرایہ لے بھی لو گے تو پیسے سنبھال کر رکھنا تم دونوں احمقوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ تم لوگوں کو کیا پتا کہ پیسا کتنی محنت سے کمایا جاتا ہے۔ اگر تم دونوں نے کمائے ہوئے پیسے گم کر دیے تو! نہیں نہیں مجھے تم دونوں پر ذرا سا بھی بھروسا نہیں ہے، اس لیے میں بھی تم دونوں کے ساتھ رہوں گا اور حساب کتاب میں سنبھالوں گا۔ کس سواری

سے کتنا کرایہ لینا ہے، کتنا کم کرنا ہے، یہ سارے معاملات بھی میں طے کروں گا۔'' دادو نے بھی اپنی قابلیت جھاڑنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اس طرح سب پر ایک ایک کام کی ذمہ داری ہوگی اور کسی ایک پر کام کا بوجھ بھی نہیں پڑے گا۔'' راجا مسکرایا۔

''ہاں اور اس سے ہمیں ایک فائدہ اور بھی ہوگا۔'' کالو نے ان کی حیرانی میں اضافے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا؟'' دادو اور راجا ایک ساتھ بولے۔

''ارے بے وقوفو! ہم تینوں دوست ہر وقت ایک ساتھ بھی رہیں گے۔'' کالو نے کہا۔

''ہاں یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔'' راجا خوش ہو کر بولا۔

''تم لوگوں کے پاس دماغ ہوگا تو کچھ سوچو گے نا۔'' کالو نے کہا۔

''اچھا اچھا، اب زیادہ بحث نہ کرو اور چل کر سو جاؤ، کل کام پر بھی جانا ہے اور کل ہمارے کام کا پہلا دن بھی تو ہے صبح جلدی نکلنا ہوگا ہمیں۔'' دادو نے بحث ختم کرتے ہوئے کہا۔

تینوں دوست رات کو جلد سو گئے اور صبح اُٹھ کر کام پر جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ راجا نے رکشا اسٹارٹ کیا اور کالو اور دادو رکشے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر سواری کی تلاش میں نکل پڑے۔ صبح سے شام تک وہ مختلف سڑکوں پر رکشا لیے گھومتے رہے، لیکن انھیں کوئی سواری نہ ملی۔

''صبح سے شام ہو گئی ہے، لیکن اب تک ہمیں سواری کیوں نہیں ملی؟'' راجا نے رکشا ایک طرف روکتے ہوئے کہا۔ تینوں دوست رکشا سے باہر نکل آئے اور قریبی نالے کی

منڈیر پر جا بیٹھے۔

''ہاں بھئی پتا نہیں سواری کیوں نہیں ملی۔ نہ جانے صبح صبح کس کا منھ دیکھ کر نکلے تھے۔'' دادو نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''راجا! مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے رکشا ٹھیک نہیں چلایا۔ بہت تیز چلانے کے بجائے اگر آہستہ آہستہ چلاتے تو ایک نہیں ہمیں کئی سواریاں مل جاتیں۔'' کالو نے راجا کو اس کا ذمے دار ٹھیرایا۔

''تم لوگوں کو تو بس موقع ملنا چاہیے مجھ پر الزام لگانے کا۔'' راجا نے بگڑتے ہوئے کہا۔

تینوں دوستوں میں بحث چھڑ گئی اور وہ ایک دوسرے کو سواری نہ ملنے کا ذمے دار ٹھیرانے لگے۔ اسی وقت ایک آدمی ان کے پاس آ کر رک گیا۔

''مجھے صدر جانا ہے، چلو گے؟'' آدمی نے کہا۔

''بالکل جناب! چلیں گے۔ کیوں نہیں چلیں گے، لیکن آپ کو رکشے میں بٹھانے کا فیصلہ کالو صاحب کریں گے۔'' راجا نے کالو کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب؟'' آدمی کالو کی بات سن کر حیران ہوا۔

''مطلب یہ ہے کہ آپ جہاں کہیں گے ہم آپ کو چھوڑ دیں گے۔'' کالو نے بات بناتے ہوئے کہا۔

''کرایہ کتنا لو گے؟'' آدمی نے پوچھا۔

''کرایہ دادو صاحب طے کریں گے۔ یہ ان کا شعبہ ہے۔'' کالو نے دادو کی

طرف اشارہ کیا۔

"دو سو روپے دے دینا۔" دادو نے کہا۔

"نہیں بھائی دو سو روپے بہت زیادہ ہیں۔ صدر زیادہ دور نہیں ہے، میں پچاس روپے دوں گا۔ کیا کہتے ہو، چلو گے یا نہیں؟" آدمی نے بحث کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو، ٹھیک ہے تم پہلی سواری ہو اور پہلی مرتبہ ہمارے رکشے میں سوار ہو رہے ہو، اس لیے تمھارے ساتھ خاص رعایت کر رہے ہیں، لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ اگلی بار ہمارے رکشے میں بیٹھو گے تو کوئی رعایت نہیں ہوگی، ہم تم سے پورے پورے پیسے لیں گے۔" دادو نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" آدمی نے کہا۔

تینوں احمق بہت خوش ہوئے کہ سارا دن خاک چھاننے کے بعد اب کہیں جا کر ایک سواری ملی ہے۔ راجا نے اپنی سیٹ سنبھالی اور کالو اور دادو اُچھل کر پچھلی سیٹ پر جا بیٹھے۔ آدمی نے یہ دیکھ کر اعتراض کیا کہ تم لوگ سواری کو کہاں بٹھاؤ گے۔

"پیچھے ایک آدمی کی جگہ خالی ہے، آپ وہاں بیٹھ جائیں۔" راجا نے کہا۔

"لیکن میرے ساتھ بیوی بچے ہیں، ایک آدمی کی جگہ کا میں کیا کروں گا۔" آدمی نے ایک طرف اشارہ کیا، جہاں ایک عورت دو بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

"بھائی! ایسا کرتے ہیں کہ میں آگے راجا کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں تم بھابھی کے ساتھ پیچھے بیٹھ جاؤ اور بچوں کو گود میں بٹھا لو۔ بارہ تیرہ سال بھی بھلا کوئی عمر ہے اور ویسے بھی ماں باپ کے لیے تو بچے ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں۔" کالو نے اپنی سیٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی رہنے دو تم لوگ آرام سے اپنے رکشے میں بیٹھو ہم کوئی اور رکشا کر لیں گے۔" آدمی بگڑ گیا۔

تینوں دوستوں نے آدمی کو راضی کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا۔ پھر دادو نے بچے کو پیار کیا اور دس روپے کا نوٹ جیب سے نکال کر بچے کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولا:

"بہت پیارا بچہ ہے، یہ لو بیٹا! انکل کی طرف سے چیز لے کر کھا لینا۔"

سواری چھوٹنے کی وجہ سے تینوں دوستوں میں پھر بحث چھڑ گئی کہ تمھاری وجہ سے سواری چھوٹی ہے، تمھاری وجہ سے چھوٹی ہے۔ وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ آخر سواری کیوں چھوٹی، لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ تھک ہار کر گھر واپس آ گئے۔ آج بھی تینوں احمق دوست باقاعدگی سے رکشا لے کر گھر سے نکلتے ہیں اور مل کر سواری کی تلاش کرتے ہیں، لیکن آج تک انھیں سواری نہیں ملی۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ روپے (رجسٹری سے ۵۰۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

اسکاؤٹنگ تحریک

شیخ عبدالحمید عابد

اللہ تعالیٰ نے خدمتِ خلق کو سب سے بہترین عمل قرار دیا ہے۔ بلاشبہ اسکاؤٹنگ انسانی خدمت کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ اسکاؤٹنگ ایک عالمگیر تحریک ہے، جو پوری دنیا کی ایک مقبول اور سب سے زیادہ منظم تحریک سمجھی جاتی ہے۔

اسکاؤٹ تحریک کے بانی لارڈ بیڈن پاول ۲۲ فروری ۱۸۵۷ء کو لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کی یاد منانے کے لیے پوری دنیا میں اسکاؤٹوں کا عالمی دن ۲۲ فروری کو منایا جاتا ہے۔

اس تحریک کا آغاز اگست ۱۹۰۷ء میں انگلستان کے ''براؤن سی'' نامی جزیرے میں ۲۰ لڑکوں کے ایک کیمپ سے ہوا۔ اسکاؤٹنگ کا مطلب یوں سمجھیے کہ اگر SCOUTING کے لفظ سے ''ایس'' اور ''سی'' کے حروف ہٹا دیے جائیں تو صرف آؤٹنگ رہ جاتا ہے اور ''SC'' سائنس کا مخفف ہے، یعنی ایسی آؤٹنگ جو سائنٹیفک اصولوں پر کی جائے۔ اسکاؤٹنگ کے اہم اور بامقصد معنی یہ ہیں کہ ایک بچہ یا نوجوان اسکاؤٹنگ کے قانون کے مطابق کارآمد فرد اور مفید شہری کی حیثیت سے اپنی صلاحیتیں معاشرے کی خدمت میں صرف کرے۔ اسکاؤٹ کے معنی تیز رفتار پیغام پہنچانے والے یا جاسوس کے بھی ہیں۔

اسکاؤٹنگ کا پروگرام بڑا ترقی یافتہ ہے اور ہر عمر کے لوگوں کو اچھا لگتا ہے۔ یہ پروگرام اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ انفرادی طور پر جسمانی و دماغی صلاحیتوں کو کام میں لا کر

عام شہریوں اور معذوروں کی مدد کرتے ہیں۔

اسکاؤٹنگ کا مقصد لوگوں میں احساسِ ذمے داری پیدا کرنا، اپنے آپ پر بھروسا کرنا، سخت قسم کی محنت کا عادی ہونا، زندگی کو احسن طریقے سے گزارنا اور لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا ہے۔

اسکاؤٹ تحریک کو عمر کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ سات سال سے گیارہ سال کی عمر کے نونہال ''شاہین اسکاؤٹ'' کہلاتے ہیں۔ ان کا نعرہ ''بلند پرواز'' ہے اور ان کے اجتماع کو ''ریلی'' کہتے ہیں۔

۲۔ گیارہ سے سترہ سال کے نوجوان ''بوائے اسکاؤٹ'' کہلاتے ہیں۔ ان کا نعرہ ''المستعد'' ہے اور ان کے اجتماعات کو ''جمبوری'' کہا جاتا ہے۔

۳۔ سترہ سے پچیس سال کی عمر کے جوان ''روور اسکاؤٹ'' کہلاتے ہیں۔ ان کا نعرہ ''کھلی فضا اور خدمت'' ہے۔ ان کے اجتماعات کو ''موٹ'' کہا جاتا ہے۔

پاکستان میں اسکاؤٹ میں شمولیت کے وقت سب سے پہلے اس بچے یا نوجوان سے وعدہ لیا جاتا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام، حکومتِ پاکستان کے قوانین، اسکاؤٹ تحریک کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی ادائی، دوسروں کی مدد اور اسکاؤٹ قانون کی پابندی کی جائے گی۔ اس کے بعد عمروں کے لحاظ سے انھیں بیجز کی تربیت دی جاتی ہے۔ اسکاؤٹ سیکشن میں قائداعظم کے تین سنہری اصولوں یعنی اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کے نام سے تین عام قابلیت کے بیجز رکھے گئے ہیں۔ جن میں اسلام سے آگاہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، حقوق اللہ، حقوق العباد، قرآنی آیات،

خطبۂ حجۃ الوداع وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ شہریت اور کردار سازی، اپنے ملک کی اہم معلومات مثلاً قراردادِ پاکستان، پاکستان کا آئین، صدرِ پاکستان اور وفاقی حکومت وغیرہ شامل ہیں۔ جب کہ دیگر امور تربیت میں اندازہ لگانا، نقشہ بینی، کھانا پکانا، اسپتالوں میں فری سروس، تحفظِ ماحول، کیمپ لگانا، پیدل سفر کے مظاہرے، فوری طبی امداد کی تربیت شامل ہے۔

جب ایک اسکاؤٹ ان تمام چیزوں میں مہارت حاصل کر لیتا ہے اور تین بیج اتحاد، تنظیم، یقین کے پاس کر لیتا ہے تو اسے پاکستان کا اعلاترین ''قائداعظم بیج'' دیا جاتا ہے۔

دنیا کے تمام اسکاؤٹس ایک عالمی تنظیم کے تحت کام کر رہے ہیں۔ اس عالمی تنظیم کو ورلڈ اسکاؤٹ بیورو کہتے ہیں۔ اسکاؤٹنگ کے بین الاقوامی اجتماع کو ورلڈ جمبوری کہتے ہیں۔ دنیا کے ۱۱۶ ممالک میں اسکاؤٹ تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔

۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے پہلے چیف اسکاؤٹ کی حیثیت سے بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے حلف اُٹھایا۔ آج پاکستان میں تعلیمی اداروں کے علاوہ اوپن گروپوں کی صورت میں اسکاؤٹ خاموش سپاہی کی طرح کام کر رہے ہیں۔ ان میں کراچی کا قدیم روور یونٹ، کریسنٹ روور اسکاؤٹس، حیدری اسکاؤٹس، بوتراب اسکاؤٹس، اسماعیل اسکاؤٹس اور پشاور کے خیبر اسکاؤٹس وغیرہ شامل ہیں۔

اسکاؤٹ، جنگ اور امن دونوں حالتوں میں انسانیت کی خدمت کرتے ہیں۔

اسکاؤٹنگ کا سب سے بڑا ایوارڈ برونز ولف ہے۔ پاکستان کے پہلے صدارتی ایوارڈ یافتہ روور اسکاؤٹ حسن فیروز ہیں۔

☆☆☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

راجا ثاقب محمود جنجوعہ، پنڈ دادن خان — سیدہ اریبہ بتول، کراچی
عبداللطیف چاچڑ، کشمور — عبدالاحد، کراچی
سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان — حافظ عفان احمد خان، کراچی
غزال خانزادہ، ٹنڈو الہیار

حمدِ باری تعالیٰ

مرسلہ: راجا ثاقب محمود جنجوعہ، پنڈ دادن خان

اے خدایا ، خدایا ، خدارا
موڑ دے اپنی رحمت کا دھارا
تیری بخشش کے طالب ہیں سارے
سب کو مشکل میں تیرا سہارا
تیری مخلوق تیرا ہے کنبہ
اور کنبہ بھی ہے پیارا پیارا
علم و حکمت مجھے بھی عطا ہو
آگے بڑھنے کا ہو مجھ میں یارا
مجھ کو صحت بھی دے ، زندگی بھی
میں بھی ہوں اک مصیبت کا مارا
کوئی طوفان نہ تیزی دکھائے
اور قسمت میں ہو بس کنارا

انمول نعمت

عبداللطیف چاچڑ، کشمور

پانی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اَن مول نعمت ہے۔ تمام جان داروں کے زندہ رہنے کے لیے پانی نہایت ہی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی بھی جان دار کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ دنیا میں بعض علاقے ایسے ہیں، جہاں یہ اَن مول نعمت وافر مقدار میں پائی جاتی ہے۔ بعض ایسے علاقے بھی ہیں، جہاں پانی پایا تو جاتا ہے، مگر پینے کے قابل نہیں۔ ایسے پانی کو کڑوا یا نمکین پانی کہا جاتا ہے۔

کچھ علاقے ایسے بھی ہوتے ہیں، جہاں پانی بالکل نہیں پایا جاتا۔ وہاں کے لوگ اس نعمت کی خوب قدر کرتے ہیں۔ وہ بارش کے پانی کو تالابوں اور جھیلوں کی صورت میں جمع کرتے ہیں اور پھر سارا سال ان ہی تالابوں سے کھانا پکانے، جانوروں اور کھیتی باڑی کی ضروریات کے لیے پانی حاصل کرتے ہیں۔ وہ اتنی کفایت شعاری سے پانی استعمال کرتے ہیں کہ بارشوں کے آیندہ موسم تک ان کے پاس پانی باقی بچا رہے، تاکہ انھیں پانی کی قلت کی وجہ سے اپنے آبائی علاقوں سے ان علاقوں کی طرف ہجرت نہ کرنی پڑے، جہاں پانی دستیاب ہو۔

پاکستان میں چولستان (صوبہ پنجاب) اور تھر (صوبہ سندھ) ایسے علاقے ہیں، جہاں سے لوگ ہر سال پانی نہ ملنے کی وجہ سے ان علاقوں کی طرف ہجرت کرتے ہیں، جہاں پانی موجود ہو۔ ان لوگوں کو پانی جیسی بے مثال نعمت کی اہمیت کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایسے علاقوں کے باشندے جہاں پر پانی کثرت سے موجود ہو، اس خوب صورت نعمت کی اہمیت کم سمجھتے ہیں۔ وہ کھیتوں میں ضرورت سے زیادہ پانی چھوڑ دیتے ہیں۔

عورتیں برتن، کپڑے وغیرہ دھوتے وقت بہت سا پانی ضائع کر دیتی ہیں۔ نمازی وضو کے لیے ٹونٹی کھولتے ہیں تو ضرورت سے زیادہ پانی بہا دیتے ہیں۔ جب نہانے یا منھ دھونے کے لیے غسل خانے میں جاتے ہیں تو لوگ گھنٹوں پانی بہاتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پانی ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ رسولِ کریمؐ ایک صحابی حضرت سعدؓ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ وہ صحابیؓ وضو فرما رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے سعدؓ! یہ کیا فضول خرچی کر رہے ہو؟''

حضرت سعدؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، خواہ تم دریا کے بہتے کنارے پر ہی کیوں نہ بیٹھے ہو۔''

پانی کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ روزے دار اچھی طرح لگا سکتے ہیں۔ ساتھیو! آپ تو سمجھ دار ہیں۔ خود بھی پانی ضائع نہ کریں اور دوسروں کو بھی ان کی اہمیت سے آگاہ کریں۔

محنت میں عظمت

سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان

شاہ نواز سندھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ اس کا باپ گاؤں کا ایک بڑا زمیندار تھا۔ گھر میں ماں کے علاوہ کئی نوکر تھے، جو اس کا ہر وقت خیال رکھتے تھے۔ شاہ نواز کو سب سے زیادہ اپنے ملازم اللہ ڈنو سے محبت تھی، کیوں کہ وہ ان کا پرانا نوکر تھا اور شاہ نواز کو اس نے اپنی گود میں کھلایا تھا۔ وہ ہمیشہ شاہ نواز کو اچھی اچھی کہانیاں اور بزرگوں کے نصیحت آموز واقعات سناتا۔

گاؤں میں کوئی اسکول نہیں تھا، جہاں شاہ نواز تعلیم حاصل کرتا۔ کسی بڑے گاؤں یا شہر میں اس کے والد نے اسے اکیلے چھوڑنا گوارا نہ کیا، کیوں کہ شاہ نواز ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ اسے لمحے بھر کے لیے بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ ایسے لاڈ پیار کے ماحول میں ممکن تھا بے جا لاڈ پیار سے وہ بگڑ بھی جاتا، لیکن اللہ ڈنو ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ اسے اچھی بُری باتوں کی تمیز سکھاتا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت کی تلقین کرتا۔ اس کے ساتھ رہ کر شاہ نواز بہت سی اچھی اچھی باتیں سیکھ گیا تھا اور اس کا نام لینے کے بجائے ہمیشہ اسے چاچا کہہ کر پکارتا تھا۔

ایک بار گاؤں میں اچانک زبردست سیلاب آ گیا۔ شاہ نواز کے والدین اس وقت کسی دوسرے گاؤں سے بیل گاڑی پر واپس آ رہے تھے کہ سیلاب نے انھیں گھیر لیا اور اپنے ساتھ بہا کر لے گیا۔ ان کی کھڑی

فصلیں تو پہلے ہی سیلاب میں تباہ ہو چکی تھیں۔ جب سیلاب ختم ہوا تو شاہ نواز یتیم اور بے سہارا ہو چکا تھا۔ تعلیم بھی حاصل نہ کر سکا تھا کہ کہیں جا کر کوئی بھی ملازمت کرتا۔ ہنر بھی کوئی نہ جانتا تھا کہ اس سے فائدہ اُٹھا کر اپنا گزارہ کرتا۔ ان حالات میں شاہ نواز بس سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا رہتا، کبھی اُداس یا پریشان ہو کر رونے لگتا۔

ایسے وقت میں بھی اللہ ڈنو، شاہ نواز کے پاس رہتا تھا اور ہمیشہ اس کی ہمت بڑھاتا رہتا اور اسے کچھ نہ کچھ کام کرنے کی ترغیب دیتا رہتا، مگر شاہ نواز بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ اسے کسی اور کے پاس جا کر نوکری کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔

ایک دن اس کے ملازم اللہ ڈنو نے اسے سمجھایا: ”بیٹے! ہم مسلمان ہیں، ہمیں حلال کی روزی کمانے میں شرم نہیں کرنی چاہیے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور اب میں تمھاری کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ میری آرزو ہے کہ میں اپنے جیتے جی تمھیں اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھوں اور یہ تبھی ہوگا جب تم کچھ کرو گے۔“

آخر وہ تیار ہو گیا۔ شروع شروع میں کام نہ جاننے کی وجہ سے شاہ نواز کو کھیتوں میں سخت محنت اور جدوجہد کرنی پڑی، لیکن اللہ ڈنو اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔ پھر اس وقت تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس نے اپنی زمینوں پر فصلوں کو لہلہاتے ہوئے دیکھا۔

شاہ نواز اسی طرح محنت اور لگن سے کام کرتا رہا۔ اب اس کے حالات بھی آہستہ آہستہ پہلے سے بہتر ہونے لگے تھے۔ کچھ ہاری بھی رکھ لیے تھے، وہ خود بھی ان کے ساتھ محنت میں برابر شامل رہتا تھا۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ چاچا اس کو محنت و مشقت کرتے دیکھتا تو خوشی سے پھولے نہ سماتا۔ شاہ نواز بھی اب چاچا سے پہلے سے بھی زیادہ

محبت کرنے لگا تھا۔ یہ چاچا اللہ ڈنو ہی تھا جس کی مسلسل کوششوں اور نصیحتوں نے اس کی زندگی بدل ڈالی۔

شاہ نواز کی مسلسل محنت اور جدوجہد رنگ لائی۔ اب حالات ایک بار پھر ویسے ہی ہو گئے تھے جیسے اس کے باپ کی زندگی میں تھے۔ اس کے گھر میں نوکر چاکر تھے اور زمینوں پر ہاری، لیکن اب بھی پہلے کی طرح وہ خود ان میں شامل ہو کر ان کے ساتھ ہل چلاتا، بیج بوتا، فصلوں کی دیکھ بھال کرتا اور اپنی محنت کے پھل سے لطف اندوز ہوتا۔

شاہ نواز، اللہ ڈنو کا اپنے باپ کی طرح احترام کرتا تھا۔ اس کی باتوں اور نصیحتوں پر عمل کرتا۔ ہر بات میں اس سے مشورہ کرتا اور ہر کام میں اس کی رائے کا احترام کرتا۔

شاہ نواز ایک روز اللہ ڈنو کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ چاچا نے اس سے کہا: ”بیٹا شاہ نواز! میں بہت خوش ہوں کہ اب تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہو، لیکن تم بہت زیادہ محنت و مشقت کرنے لگے ہو کبھی آرام بھی کر لیا کرو۔“

شاہ نواز نے جواب دیا: ”چاچا! اب مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ زندگی میں عزت، عظمت اور برکت حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے محنت۔ میں یہ جاننے کے بعد کیوں کر محنت سے جی چرا سکتا ہوں۔“

”ہاں بیٹا! یہ بات سچ ہے کہ یہ سب محنت ہی کی برکت ہے کہ آج ہمیں زندگی کے سب آرام میسر ہیں۔ اگر تم محنت کرنے میں شرم محسوس کرتے رہتے تو یہ سب کچھ حاصل نہ کر پاتے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی کبھی حالت نہیں بدلتا، جو خود اپنی حالت کو بدلنے کے لیے کوشش، محنت اور جدوجہد نہیں کرتا اور جو زندگی میں محنت اور کوشش کرتے ہیں تو ان کو زندگی میں محنت کا صلہ ضرور ملتا ہے۔“

محنت

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

مکڑی نے کیا جالا تانا
کام یہ محنت سے کر ڈالا
اس سے اس کو ملے گا کھانا
جس نے مکڑی پیدا کی ہے
اسی نے اس کو عقل یہ دی ہے
روزی کا کیوں تجھ کو غم ہے
ہاتھ میں کاغذ اور قلم ہے
سیکھ لے بابا! علم و ہنر تو
محنت کر تو ، محنت کر تو

چچا بھلکو

عبدالاحد، کراچی

سر پر میلی سی ٹوپی، جس کے کناروں سے گھاس جیسے چند بال دکھائی دیتے تھے۔ یہ ہیں ہمارے چچا بھلکو، جنھیں بھولنے کا مرض لاحق ہے۔ ایک مرتبہ چچا نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح کا پروگرام بنایا۔ کافی بحث کے بعد مچھلی کے شکار پر سب رضا مند ہو گئے۔ اگلے دن چچا نے فجر کی نماز سے واپسی پر محلے کے کھنڈر نما پارک کا رخ کیا۔ آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد ان کے دوست بھی وہاں آ پہنچے۔ چناں چہ یہ سب اپنے مشن پر نکل پڑے۔

جھیل کے کنارے پہنچ کر چچا کو خیال آیا کہ وہ اپنا کانٹا اور مچھلی کے شکار کا دیگر سامان تو گھر پر ہی بھول آئے ہیں، لہٰذا انھوں نے اپنے ایک دوست کو جنھیں مچھلی کے شکار میں زیادہ دل چسپی نہیں تھی، اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ انھیں اپنا کانٹا اور دیگر سامان ادھار دے دیں۔

چچا کو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تو ہو ہی گیا تھا، کانٹے کو پانی میں ڈالے ہوئے، لیکن ابھی تک مچھلی تو کیا کسی مینڈک کا بھی کانٹے کے پاس سے گزر نہیں ہوا تھا۔ چچا کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے، کیوں کہ وہ اپنے دوستوں سے یہ شرط لگا چکے تھے کہ وہ سب سے زیادہ مچھلیاں شکار کریں گے اور اگر وہ

شرط پوری نہ کر سکے تو اپنے دوستوں کی دعوت کریں گے۔

چچا کے وہی دوست جن سے چچا نے کانٹا ادھار لیا تھا، چچا کے پاس آئے اور نہایت ہی شفقت سے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے: ''کیا ہوا پروفیسر صاحب! آپ کی بالٹی میں کوئی مچھلی نظر نہیں آ رہی۔''

چچا تو پہلے ہی سے اپنی بے وقوفی پر جلے بھنے بیٹھے تھے، تلملا اُٹھے: ''تو کیا ہوا! ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے کانٹا پانی میں ڈالے ہوئے، تم دیکھنا میں ان سب سے زیادہ مچھلیاں پکڑوں گا۔'' چچا نے خیالی پلاؤ پکایا۔

''میرا مشورہ مانیں تو ہم دونوں بھائی جا کر قریبی بازار سے مچھلیاں خرید لاتے ہیں۔ ان لوگوں کو پتا بھی نہیں چلے گا۔'' دوست نے رازدانہ لہجے میں کہا۔

چچا چوں کہ منصف مزاج تھے، لہٰذا انھوں نے یہ پیش کش ٹھکرا دی۔ اتنے میں انھیں اپنے کانٹے میں کچھ تھرتھراہٹ سی محسوس ہوئی۔ چچا خوشی سے پھولے نہ سمائے جھٹ سے کانٹے کو باہر نکالا، لیکن کانٹا تو خالی تھا، چچا شرمندہ ہو رہے تھے۔ پھر انھیں خیال آیا کہ وہ کانٹے پر مچھلی کا چارا لگانا تو بھول ہی گئے۔ دوستوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ سب خوب قہقہے لگانے لگے۔ چچا بھی اپنی کھسیانی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکے۔

جب سورج ڈھلنے لگا تو تمام دوستوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ بے چارے چچا شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے، کیوں کہ ان کی بالٹی میں ایک مچھلی بھی نہیں تھی۔ واپسی پر سارا راستہ چچا کے دوست ان کے ساتھ طنزیہ جملے بازی کرتے رہے۔ گلی کے کونے پر پہنچتے ہی چچا کے پیروں تلے زمین نکل گئی، کیوں کہ ان کے گھر کے سامنے بہت سارے لوگ جمع تھے۔

چچا کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا دکھائی دیا۔ بے چارے پہلے ہی شرط ہارنے پر مایوس تھے، اوپر سے اس اچانک آفت نے انھیں مزید پریشان کر دیا۔ خیر وہ اور ان کے

دوست بھاگم بھاگ گھر تک پہنچے۔ چچا کی بیگم نے انھیں دیکھتے ہی سوالوں کی بھرمار کر دی۔

''کہاں تھے آپ؟ مجھے بتا کر کیوں نہیں گئے؟ آپ نے کچھ کھایا بھی کہ نہیں؟ اور...... اور یہ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ کیوں ہیں؟'' چچی نے ایک ہی سانس میں سارے سوال کر ڈالے۔

چچا نے انھیں بتایا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ مچھلی کے شکار پر نکل گئے تھے۔

''تو مجھے بتا کر کیوں نہیں گئے؟ میں سمجھی کسی نے اغوا کر لیا۔'' چچی کی پریشانی اب غصے میں بدل گئی تھی۔

''وہ...... وہ...... میں۔'' چچا کچھ کہنا چاہتے تھے کہ پیچھے سے ان کے پڑوسی اشفاق صاحب جو ان کی عادت سے خوب واقف تھے، جھٹ سے بول پڑے: ''میں بھول گیا۔''

جب چچا نے شرمندگی سے اپنا چہرہ نیچے کیا تو چچی سمیت سب لوگ ہنس پڑے۔

چوری

حافظ عفان احمد خان، کراچی

قاسم ایک ماہر چور تھا۔ اس کے ماں باپ نے اسے یہ کام سکھایا تھا۔ اس کا باپ منیب بھی ماہر چور تھا، جو اکیلے ڈاکے مارتا تھا، مگر قاسم ساتھیوں کے ساتھ گروہ بنا کر ڈاکے مارتا تھا۔ اس کے گروہ میں چار لڑکے تھے۔ ابراہیم، راجا، منور اور عاصم شامل تھے۔ قاسم گروہ کا سردار تھا۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ دن میں راجا اور منور گھر دیکھ لیتے اور رات میں قاسم اور ابراہیم گھر کا صفایا کر دیتے۔

قاسم کا ایک ہی بیٹا سعد تھا۔ قاسم اس سے بہت پیار کرتا تھا۔ سعد تقریباً تیرہ سال کا ہو گیا تھا۔ سعد اپنے باپ کو بہت سمجھاتا تھا کہ چوری کرنا گناہ ہے، مگر قاسم یہ بات ٹال دیتا۔

ایک دن راجا نے اطلاع دی کہ آج ایک ایسا گھر دیکھا ہے، جہاں کسی لڑکی کا جہیز آیا ہے۔

قاسم نے کہا: ''ٹھیک ہے، رات کو صفایا کریں گے۔'' رات بارہ بجے تین سائے اس گھر میں داخل ہوئے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ابھی

دس منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک ''میگافون پر آواز آئی: ''قاسم ڈکیت! تمھیں گھیر لیا گیا ہے۔ تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ گرفتاری دے دو۔'' قاسم نے چھت پر جا کر دیکھا، واقعی مکان کے چاروں طرف پولیس کے جوان کھڑے تھے۔ اب گرفتاری کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ آخر قاسم، راجا اور ابراہیم کے ساتھ نیچے آ گیا۔ ان تینوں کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

قاسم بولا: ''مجھے حیرت ہے آج میں پکڑا گیا۔ اس گھر کا علم تو صرف میرے گروہ کو ہی تھا۔ تو کیا...... نہیں، نہیں منور سے تو مجھے ایسی امید نہیں تھی۔'' اس سے پہلے کہ راجا اور ابراہیم کوئی رائے دیتے، انسپکٹر وارث علی آگے بڑھے اور بولے: ''نہیں قاسم! ہمیں اطلاع تمھارے ساتھی نے نہیں، بلکہ تمھارے اپنے بیٹے سعد نے دی ہے۔''

''کیا!'' قاسم چلا اُٹھا۔

انسپکٹر صاحب بولے: ''آ جاؤ سعد!''

ایک طرف سے سعد نکلا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے روتے ہوئے بتایا: ''جب منور آپ کو اس کے بارے میں بتا رہا تھا تو میں چھپ کر سن رہا تھا اور پتا نوٹ کر لیا تھا۔ آپ خدا کے لیے یہ کام چھوڑ دیں۔'' قاسم کا سر جھکتا چلا گیا۔

فخر پاکستان ارفع کریم رندھاوا

غزال خانزادہ، ٹنڈو الہیار

دنیا کے افق پر جگمگاتا ہوا ستارہ اور پوری دنیا میں پاکستان کی شناخت بنانے والی ذہین اور کم عمر ترین لڑکی ارفع کریم رندھاوا ۲۱ فروری ۱۹۹۵ کو فیصل آباد کے گاؤں رام دیوالی میں پیدا ہوئی۔ ارفع کریم کے والد کا نام امجد کریم ہے۔ ارفع کریم نے تین سال کی عمر میں ہی اسکول جانا شروع کر دیا تھا۔ ارفع نے دس سال کی عمر سے پہلے ہی دنیا کی کم عمر ترین مائیکرو سافٹ سرٹیفائڈ پروفیشنل کے طور پر مقبولیت حاصل کی اور صرف دس سال کی

عمر میں پرائڈ آف پرفارمنس حاصل کیا۔ ارفع کریم نعت خوانی کا مقابلہ ہو یا بحث ومباحثہ وہ اپنے ہم عمروں کو پیچھے چھوڑ دیتی تھی۔ ارفع کریم کو صدارتی ایوارڈ، مادرِ ملت طلائی تمغا، اسلام پاکستان یوتھ ایوارڈ ۲۰۰۵ء سے بھی نوازا گیا۔

ارفع کریم پاکستان کا اعلا ترین ایوارڈ صدارتی حسنِ کارکردگی کا تمغا حاصل کرنے والی کم عمر ترین شخصیت تھی۔ دنیا بھر میں کمپیوٹر کو چلانے والے نظام ''ونڈوز'' امریکی کمپنی مائیکروسافٹ کارپوریشن کی ایجاد ہے۔ اس کے انٹرنیٹ سلیبس کے تحت جو کوئی اپنی اہلیت ثابت کرتا ہے، یہ کمپنی اسے مائیکروسافٹ سرٹیفائڈ ایپلیکشین ڈیویلپر کی سند عطا کرتی ہے۔

اس کمپنی کے مالک بل گیٹس نے ایک مقابلہ منعقد کرایا اور یوں ارفع کریم کی محنت رنگ لائی اور انھوں نے پاکستان کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ ۱۵ جولائی ۲۰۰۵ء کو مائیکروسافٹ کی دعوت پر اپنے والد کے ہمراہ امریکا پہنچ کر ارفع کریم نے بل گیٹس سے مائیکروسافٹ کی سند حاصل کی۔ ارفع کریم نے چوتھی جماعت میں گائیکی کے مقابلے میں بھی پوزیشن حاصل کی۔ ارفع کریم کو سیاست سے نفرت تھی۔ اس کی وفات سے اس کے بہت سے خواب ادھورے رہ گئے۔ وہ دیہات میں کمپیوٹر کی تعلیم کو عام کرنا چاہتی تھی۔

ارفع کریم کو ۲۲ دسمبر ۲۰۱۱ء کو اچانک مرگی کا دورہ پڑا، جس نے اس کے دماغ کو متاثر کیا۔ ارفع کریم ۱۴ جنوری ۲۰۱۲ء کی شب کو لاہور میں انتقال کر گئیں۔

ارفع کریم پاکستان کا ایک قیمتی سرمایہ تھی۔ اب پاکستان کے مستقبل کے معماروں پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ارفع کریم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کا نام دنیا میں روشن کریں۔

☆☆☆

بلاعنوان انعامی کہانی

شمیم نوید

باہر جانے کا کوئی خفیہ راستہ نہیں تھا۔ اس کوٹھری کی دیواریں مضبوط سیمنٹ سے بنائی گئی تھیں۔ دروازہ لوہے کا تھا۔ کوٹھری کے فرش اور چھت میں بھی کہیں سوراخ نہیں تھا اور کھڑکیاں تو تھیں ہی نہیں۔ روشنی کے لیے چھت میں جو بلب لگا ہوا تھا، اس کے چاروں طرف لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی۔ عقیل کو یہی محسوس ہوا کہ اس کوٹھری سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اسکول میں ہونے والے ایک نفسیاتی تجربے کے لیے عقیل نے خود ہی اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس کی عمر پندرہ سولہ سال کے درمیان تھی۔ اپنی کلاس کے ذہین طالب علموں

میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ والدین بھی اس سے خوش تھے۔ اس میں بس ایک ہی خرابی تھی کہ شیخی بھگارنے میں سب سے آگے رہتا تھا۔ کوئی بھی مسئلہ ہو، وہ یہی کہتا کہ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، چٹکی بجاتے ہی اسے حل کر دوں گا۔ اپنے نام کی طرح وہ خود کو سب سے زیادہ عقل مند سمجھتا تھا۔ اپنے ساتھیوں کے سامنے ڈینگ مارنے کے علاوہ گھر میں بھی وہ اس حرکت سے باز نہ آتا اور کہتا: ''میرا کوئی مقابلہ نہیں۔''

اس کے ابو نے ایک دن اسے سمجھایا: ''دیکھو بیٹے! اس میں کوئی شک نہیں کہ تم عقل مند ہو، لیکن اس پر شیخی بگھارنے کے بجائے تمھیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زمین پر سینہ تان کر چلتے ہیں۔ کسی کو بھی یہ دعوا نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے سامنے کوئی اور نہیں ٹک سکتا یا وہ ہر صورتِ حال کا مقابلہ کر سکتا ہے۔''

عقیل نے اپنے ابو کی بات سنی اَن سنی کر دی اور اپنی عادت نہیں چھوڑی۔ اس کے نتیجے میں اب سخت امتحان سے گزر رہا تھا۔ یہ نفسیاتی تجربہ بہت انوکھا تھا۔ اس قسم کی مختلف ذہنی آزمائشوں کے لیے پندرہ سال کی عمر سے لے کر بیس برس تک کی عمر کے نوجوانوں کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اس آزمائش کا مقصد نوجوانوں کی ذہانت اور ان کے دماغ کی صلاحیت کو جانچنا تھا۔ عقیل کو بھی اسی لیے اس کوٹھری میں بند کر دیا گیا تھا۔

کوٹھری میں نہ فرنیچر تھا، نہ کسی طرح کے اوزار تھے۔ عقیل کو اپنے ساتھ کوٹھری میں کوئی چیز لانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی تھی۔ اب اسے کوٹھری سے نکلنے کے لیے اپنی ذہانت کو کام میں لانا تھا۔

عقیل کو اس کوٹھری میں بند کرنے سے پہلے بتا دیا گیا تھا کہ بہ ظاہر کوئی راستہ نہ ہونے کے باوجود باہر نکلنے کا ایک راستہ ضرور موجود ہے۔ اس سے کہا گیا کہ تمھیں تین گھنٹے کے اندر اندر اس کوٹھری سے باہر آنا ہے۔

اپنی عادت کے مطابق وہ سینہ تان کر بولا: ''سر تین گھنٹے تو بہت ہیں، میں ایک ہی گھنٹے میں باہر آ جاؤں گا۔''

عقیل کے اس دعوے پر سفید بالوں والا بوڑھا ماہرِ نفسیات مسکرایا اور پھر کوٹھری کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ عقیل دروازے کی طرف پشت کر کے سوچنے لگا۔ اس کے سامنے ایک اور بڑا سا لوہے کا دروازہ تھا۔

عقیل نے اپنی عقل کی آزمائش کا آغاز لوہے کے اسی بھاری دروازے سے کیا۔ وہ دروازہ ایک ایسی دیوار کی طرح اس کے سامنے تھا، جسے گرانا ممکن نہیں تھا۔ اس کی

چولیں سیمنٹ کی دیوار میں گڑی ہوئی تھیں۔ ان چولوں کو کسی اوزار کی مدد کے بغیر ڈھیلا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چھوٹی سی اس کوٹھری کا دروازہ اتنا بڑا تھا جیسے پہلے وہ دروازہ بنایا گیا ہو اور پھر کوٹھری کی دیواریں کھڑی کی گئی ہوں۔

آخر وہ دروازے کو اپنی جگہ سے ہلانے اور زور لگانے کا خیال چھوڑ کر دیواروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہاں کوئی خفیہ راستہ ہو۔ ممکن ہے فرش کے کسی حصے پر دباؤ ڈالنے سے کوٹھری کا کوئی خفیہ دروازہ کھل جائے۔ پھر اس نے چھت پر نظر ڈالی کہیں بھی اسے کوئی درز، کوئی نشان دکھائی نہیں دیا۔ چھت ہی کی طرف دیکھتے ہوئے بلب کے چاروں طرف لگی جالی پر اچانک اس کی نظر پڑی۔ اسی کے ساتھ اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ لوہے کے موٹے تاروں سے وہ جالی بنی ہوئی تھی۔ جالی کو اوزار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اپنی دانست میں اس نے کوٹھری سے نکلنے کا طریقہ سوچ لیا۔ اس نے جالی کے بالکل نیچے کھڑے ہو کر اوپر نگاہ اُٹھائی۔ جالی کو آسانی سے کھولا جانا ممکن تھا۔

عقیل نے ایسا ہی کیا، کیوں کہ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی، پھر یہ کہ اس کا قد بھی لمبا تھا۔ جالی اس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تکونی شکل کی تھی۔ اس نے جالی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور مایوس انداز میں سر ہلانے لگا۔

وہ جالی تاروں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کا کوئی حصہ اتنا تیز نہیں تھا، جسے چاقو کی طرح استعمال کیا جا سکتا۔ ان تاروں سے نہ تو سیمنٹ کے بلاک کاٹے جا سکتے تھے نہ دروازے کو راستے سے ہٹانا ممکن تھا۔ جالی اس کے لیے بے کار تھی۔

پھر اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا، جالی کے تاروں سے میں سیمنٹ کے بلاکوں کا پلستر تو اُکھاڑ سکتا ہوں۔ یہ خیال آتے ہی اس نے فوراً کوشش شروع کر دی۔ سفوف کی صورت میں سیمنٹ اُکھڑنے لگا۔ اس کا اندازہ ٹھیک ہی نکلا کہ اگر میں سیمنٹ کی خاصی مقدار ہٹانے میں کام یاب ہو جاؤں تو دو بلاک اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور میں باہر نکلنے میں کام یابی حاصل کر لوں گا۔ دروازے کے قریب ہی دو بلاک تھے، جس کا پلستر وہ کھرچ رہا تھا۔

سیمنٹ کا سفوف تیزی سے نیچے گرنے لگا تو اپنی عقل مندی اور کام یابی کے خیال سے اس کا چہرہ کھل اُٹھا، لیکن تھوڑی دیر بعد جب تار کے سرے گھس گئے تو ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اس کا چہرہ اُتر گیا۔ وہ ایسا نظر آنے لگا جیسے غبارے میں سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اس نے فرش پر تاروں کے سروں کو دوبارہ نوکیلا بنانا چاہا، مگر ناکام رہا۔ اس کے ہاتھوں میں درد ہونے لگا۔ اس کا سارا جسم یہ محنت کرنے کی وجہ سے دکھ رہا تھا۔ سیمنٹ کا غبار اس کے حلق میں گھس گیا تھا، جس سے اسے کھانسی آنے لگی۔

فرش پر بیٹھ کر وہ سوچنے لگا کہ آخر اب اور کون سا طریقہ آزمایا جائے؟ کوٹھری سے باہر کس طرح نکلا جائے؟ ناکامی کے خیال سے ہی اسے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ وہ سوچتا رہا، سوچتا رہا اور بہت سا وقت گزر گیا۔

تجربے کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ پھر کسی نے کوٹھری کا دروازہ کھول دیا۔ اس کی ذہانت کا امتحان ہو چکا تھا۔ وہ ناکام رہا تھا۔

اس سے کسی نے نہیں پوچھا کہ وہ باہر آنے کے لیے کیا کوششیں کرتا رہا ہے، لیکن خود اسے یقین تھا کہ اگر تار کے نوکیلے سرے گھس نہ جاتے تو وہ کام یاب رہتا۔ بس اس کی قسمت ہی کچھ خراب تھی، ورنہ طریقہ تو سمجھ میں آ گیا تھا، حال آنکہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ وہ کام یابی سے بہت دور تھا۔ تار کے نکیلے سروں کے ذریعے سے مضبوط بلاکوں کے درمیان کا سیمنٹ اُکھاڑنا ناممکن تھا۔

وہ ذہین تو تھا اور اس نے کوٹھری سے باہر آنے کے لیے کوششیں بھی خوب کی تھیں، لیکن وہ اپنی ذہانت کے باوجود شکست کھا گیا تھا۔ اگر وہ زیادہ عقل مندی اور ذہانت نہ دکھاتا، بلب کی جالی نہ اُتارتا، تاروں کو اوزار کے طور پر استعمال نہ کرتا، اپنا سارا وقت سیمنٹ کھرچنے میں ضائع نہ کر دیتا تو اسے اصل راستہ مل جاتا، جو سامنے موجود تھا۔ شاید اس صورت میں اسے معلوم ہو جاتا کہ وہ اتنی ہی آسانی سے کوٹھری سے باہر جا سکتا ہے جتنی آسانی سے اندر آیا تھا، کیوں کہ کوٹھری کے دروازے کو باہر سے بند نہیں کیا گیا تھا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۵۹ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- مئی ۲۰۱۴ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

جیت یا ہار؟

نوین سلیم

ہاسٹل میں جو کمرا مجھے ملا، وہ اُس کمرے میں پہلے ہی موجود تھی۔ میں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد اس کا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا: ''میرا نام ردا عدنان ہے اور میرا تعلق کہیں اور سے ہے۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور دل میں اس کے عجیب سے جواب پر حیرت کر ہی رہی تھی کہ اس نے اِدھر اُدھر کی دوسری باتوں میں مجھے اُلجھا لیا۔ کافی دیر باتیں کرنے کے بعد اُس نے مجھ سے میرے مشاغل پوچھے تو میں نے بتایا: ''کتابیں پڑھنا، اور شاید مجھ سے زیادہ مطالعہ کرنے کا شوقین کوئی اور نہیں ہوگا۔''

ردا نے مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر کہا: ''تم نے پوری دنیا کے ڈراؤنے ناول تو نہیں پڑھے ہوں گے، میں نے پڑھ رکھے ہیں۔'' کمرے میں ایک شیلف اوپر سے نیچے تک کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ شیلف کی طرف دیکھ کر بے اختیار میرے منھ سے نکلا: ''واہ وا۔''

میں نے شیلف میں سے ایک کتاب اُٹھائی اور ابھی اس کا ٹائٹل ہی پڑھا تھا کہ ردا نے ایک دم سرد سی آواز میں کہا: ''یہ کتاب وہیں رکھ دو۔''

مجھے اس کا لہجہ اس کی بات سے زیادہ بُرا لگا اور میں کتاب واپس شیلف میں رکھ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور تھکاوٹ کی وجہ سے کچھ ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

اگلے دن صبح میں نے ردا کے سامنے اپنا رویّہ روکھا سا ہی رکھا۔ وہ سمجھ بھی گئی، اس لیے کچھ دیر میری طرف دیکھنے کے بعد اس نے بڑے عاجزانہ انداز میں مجھ سے گزشتہ رات کے اپنے رویّے کی معذرت کی۔ میں نے بھی اس کا شرمندہ انداز دیکھ کر اسے

خوش دلی سے گلے لگالیا۔ پھر اچانک باتیں کرتے کرتے ردا نے مجھ سے کہا: ''چلو، میں تمھیں اپنے پسندیدہ رائٹر کی لکھی ہوئی ایک کہانی سناتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تمھیں یہ کہانی بہت ہی پسند آئے گی۔'' کہانی سن کر واقعی مجھے بہت ہی مزا آیا، مگر ڈر بھی لگا، کیوں کہ کہانی خاصی ڈراؤنی تھی۔ ردا نے مجھے کتاب کا نام بتادیا۔

میں نے دل میں سوچا کہ میں بھی یہ کہانی ضرور پڑھوں گی۔ جب سننے میں اتنی اچھی ہے تو پڑھنے میں تو بے حد مزا آئے گا۔ میں نے کالج کی لائبریری میں اس کتاب کو ڈھونڈا، لیکن مجھے یہ کتاب نہیں ملی۔ کتابوں کی کئی دکانوں سے میں نے اس کتاب کے بارے میں معلوم کیا، لیکن کتاب مجھے پھر بھی نہیں مل سکی۔ میں نے ردا سے پوچھا کہ اس نے وہ کتاب کہاں سے خریدی، تو ردا نے کوئی جواب نہ دیا، بلکہ عجیب پُراسرار انداز میں مسکراتی رہی۔ پہلی بار مجھے ردا کی اس مسکراہٹ سے خوف سا محسوس ہوا، لیکن پھر میں نے سر جھٹک کر اس خوف کو بھی جھٹک دیا۔

ایک دو دن بعد مجھے خیال آیا تو انٹرنیٹ پر اس کتاب کا نام ڈھونڈنے لگی۔ ردا چھٹی لے کر اپنے گھر گئی ہوئی تھی۔ انٹرنیٹ پر کتاب کا نام لکھا تو اس کے بارے میں ساری تفصیلات سامنے آگئیں۔ وہ تفصیلات پڑھ کر میں چکرا گئی۔ وہ کتاب ابھی مارکیٹ میں آئی ہی نہیں تھی اور اس کے چھپنے میں ابھی پورے دو ہفتے باقی تھے۔ میں نے سوچا کہ ردا نے مجھے اس کتاب کی کہانی ایک ہفتے پہلے کیسے سنادی تھی! کمپیوٹر پر اس کہانی کا کوئی خلاصہ بھی موجود نہیں تھا۔ مجھ پر تو ڈر کے مارے کپکپی طاری ہوگئی اور ردا کی وہ پُراسرار مسکراہٹ مجھے یاد آنے لگی۔

ردا کے واپس آنے پر میں نے اس سے بات کی تو اس نے میری طرف اُسی

پُراسرار مسکراہٹ سے دیکھا اور کہا: ''میں نے کب کہا وہ کتاب چھپ گئی ہے میں تو ہر کتاب اس کے چھپنے کے بہت پہلے ہی سے پڑھ لیتی ہوں۔''

میں خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

ایک دن میں نے اس سے کہا کہ ہم سب آج رات امبر کے کمرے جمع ہوں گے۔ امبر میری رشتے کی بہن ہے اور ہوسٹل کے دوسرے کمرے میں ٹھیری ہے۔ ہم پارٹی بھی کریں گے اور گیمز بھی کھیلیں گے تم بھی آنا۔ ردا نے ہامی بھرلی۔

ردا سے ہونے والی گفتگو میں نے امبر کو بتادی۔ رات کے نو بجے سب لڑکیاں امبر کے کمرے میں جمع ہوئیں اور کھانے پینے کے بعد پروگرام پر عمل کرتے ہوئے میں نے سب سے کہا: ''ہم میں سے کون سب سے زیادہ دوسروں کو ڈرا سکتا ہے۔ یہ ایک مقابلہ ہے، جو جیتے گا، اسے باقی لڑکیاں سو سو روپے دیں گی اور سب سے پہلے میں تم لوگوں کو اپنا ڈراؤں گی کہ یاد رکھو گی۔''

میری بات سن کر ردا اچانک غصے میں آ کر بولی: ''یہ تو جب سب باری باری ڈرائیں گے تب ہی پتا چلے گا۔''

باری باری سب لڑکیاں اپنے اپنے انداز میں ڈرانے لگیں اور بعض لڑکیوں کے انداز پر ڈر لگنے کے بجائے سب کو بے تحاشہ ہنسی آئی۔ میری باری آئی تو میں نے آواز بدل کر اور آنکھیں چڑھا کر ردا کے سوا واقعی سب کو ڈرا دیا۔ ردا عجیب سی مسکراہٹ سے میری طرف دیکھتی رہی۔ آخر میں ردا کی باری آئی۔ اس نے چٹکی بجائی اور غائب ہوگئی۔ سب لڑکیاں خوف کے مارے چیخنے چلانے لگیں۔ اچانک وارڈن جو ہمارے اس

کھیل کو دیکھ رہی تھیں، ان کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ جیسے ہی وہ پیچھے کو مڑیں، دیکھا تو ردا کھڑی تھی۔

وارڈن نے کپکپاتے ہوئے پوچھا: ''کون ہو تم؟''

ردا بھیانک انداز میں ہنستے ہوئے بولی: ''چڑیل!''

سب کی خوف کے مارے گھگھی بندھ گئی تھی کہ اچانک میں نے حواس قابو میں کیے اور بسم اللہ پڑھ کر قرآنی آیات کا وِرد شروع کر دیا۔ ایک خاص آیت پڑھ کر ردا کی طرف پھونک ماری۔ ردا اچانک بھربھری ریت کی طرح ذرہ ذرہ ہو کر زمین پر بکھر گئی اور آخر وہ ریت بھی غائب ہو گئی۔ سب لڑکیاں میرے گلے لگ گئیں اور میرا شکریہ ادا کیا۔

اس واقعے کے بعد ہاسٹل میں کسی نے ردا عدنان کو نہیں دیکھا۔ ☆

کام یابی کا راز

☆ اگر پہاڑ کو سَر کرنے کی خواہش ہے تو پہلے ذرّوں کو سَر کرنا سیکھو۔

☆ اپنی تمام طاقت کو جمع کر کے ایک مرکز پر لگاؤ۔

☆ مشکلات کا مقابلہ بہادری سے کرنے کا نام زندگی اور ان پر غالب آ جانے کا نام کام یابی ہے۔

☆ زیادہ بلندی پر جانا چاہتے ہو تو پہلے بنیاد مضبوط کر لو۔

☆ آدمی صرف اس وقت مغلوب ہوتا ہے، جب وہ خود کو کم زور سمجھ لے۔

☆ جس کے پاس قابلیت، دیانت، استقلال اور ہمتِ عالی ہے، اس کی کام یابی یقینی ہے۔

مرسلہ : کائنات حمید، سانگھڑ

جادو کا توڑ

احمد عدنان طارق

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جنگل میں ایک ننھا خرگوش رہتا تھا، جس کی چھوٹی سی دُم تھی اور لمبے لمبے کان تھے وہ انتہائی شرارتی اور بدتمیز تھا۔ ہمیشہ لوگوں کے نام بگاڑتا رہتا اور جب کبھی کوئی غصے سے ڈانٹتا تو اس کا تڑ کی بہ تڑ کی جواب دیتا۔ اس کا نام جینو تھا۔ وہ قریب ہی ایک بل میں رہنے والے خار پشت (چوہے جیسا جانور جس کے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں خطرے کے وقت وہ ان سے اپنا بچاؤ کرتا ہے) کو کانٹوں کا بوجھ کہہ کر پکارتا جس کا وہ بہت بُرا مناتا اور جینو سے کہتا کہ میں تمھاری ماں سے تمھاری شکایت کروں گا۔ یہ سن کر جینو کی ہمیشہ ہنسی چھوٹ جاتی اور وہ شرمندہ ہونے کے بجائے کہتا کہ ٹھیک ہے تم میری امی ابا کو بتاؤ، میرے بہن بھائی کو بتاؤ، بلکہ میرے دادا، دادی کو بتا کر اپنا شوق پورا کر لو۔ خار پشت اپنا سا منھ لے کر چپ ہو جاتا۔

ایک دن اس نے ایک خوب صورت نیل کنٹھ کو ایک درخت پر بیٹھے دیکھا۔ وہ اپنے سبز اور نیلے رنگ کے پَروں میں انتہائی جاذبِ نظر دکھائی دے رہا تھا، لیکن دُم نہ ہونے کی وجہ سے دکھی رہتا تھا۔

جینو نے قریبی جھاڑی سے سر نکالا اور نیل کنٹھ سے کہنے لگا: ''جناب! کیا آج دُم گھر بھول آئے ہیں؟''

نیل کنٹھ نے غصے سے جینو کی طرف دیکھا اور بولا: ''اگر تم میرے بیٹے ہوتے تو تمھیں اس بدتمیزی پر ایک تمانچا مارتا۔''

جینو نے فوراً جواب دیا: ''اگر تم میرے بیٹے ہوتے تو میں تمھیں ایک نئی دُم خرید کر

دیتا جو تم درزی سے سلوا لیتے۔'' یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا، لیکن ایک دن وہ غلط جگہ شرارت کر بیٹھا، جب اس نے جادوگر بونے سے بدتمیزی کی۔

بونا قریبی ایک پہاڑی کی غار میں بنے ہوئے گھر میں رہتا تھا اور جادو کے رنگوں سے تصویریں بنایا کرتا تھا۔ ایک دن بونا کسی تتلی کی تصویر جادو کے رنگ سے بنا رہا تھا۔ رنگ سے بھرا برش اس نے اُٹھایا ہی تھا کہ کوئی پتنگا ہاتھ سے ٹکرایا تو بونا اُچھل گیا اور رنگ بونے کے سارے جسم پر پھیل گئے۔ رنگ جادو کا تھا، اس لیے ساری عمر اُتر نہیں سکتا تھا۔ وہ بونا دور سے یوں لگتا تھا جیسے کوئی آئس کریم کا کپ ہو۔ جینو نے بونے کو آتا دیکھا تو کہنے لگا: ''مصور صاحب! آپ کے گھر میں پانی نہیں تھا جو رنگوں سے نہا لیے؟''

بونے نے غصے سے جینو کو گھور کر دیکھا: ''اگر تم نے دوبارہ بدتمیزی کی تو میں تمھارے لمبے کانوں کے لیے ایک منتر پڑھوں گا۔ جینو نے بونے کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔ اس نے دوبارہ بونے کو چھیڑا اور پھر اپنے بل کی طرف دوڑ گیا۔ بونے نے فوراً منتر پڑھا۔ جینو اپنے بل میں گھسنے لگا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے کان سخت ہو گئے ہیں۔ اس نے زبردستی بل میں گھسنے کی کوشش کی تو جینو کی ماں نے جینو کو ڈانٹا کہ تم کانوں کو نیچا کیوں نہیں کر رہے؟ تب گھبرائے ہوئے جینو نے ماں کو بتایا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ماں نے کہا بے وقوف نہ بنو سب خرگوش ایسا کر سکتے ہیں، لیکن جینو کے کان اونچے ہی رہے، نیچے نہ ہو سکے۔ جینو کی ماں نے زور لگا کر کان موڑنے کی کوشش کی تو درد سے جینو کی چیخ نکل گئی۔

ماں نے پریشان ہو کر کہا: ''اب تو تم بل میں داخل ہو ہی نہیں سکتے، جب تک تمھارے کان نیچے نہ ہوں۔ آخر تم نے اپنے کانوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟ جینو نے ڈرتے

ڈرتے ماں کو سارا ماجرا سنایا۔ جینو کی ماں سخت شرمندہ ہوئی اور اس نے جینو سے کہا کہ تم نے بونے کی بے عزتی کی ہے۔ تم اسی قابل ہو کہ تمھیں سزا ملے۔ اب جینو کا بُرا وقت شروع ہو گیا۔ کھڑے کانوں سے وہ اپنے بل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

لومڑیوں اور شکاری کتوں سے بچنے کے لیے خرگوش فوراً بل میں گھس جاتے ہیں، لیکن اب جینو ان دشمنوں کے آنے پر زیادہ سے زیادہ کسی جھاڑی میں چھپ سکتا تھا، لیکن لومڑیاں اور کتے اسے وہاں سے نکال لیتے یا پھر کسی درخت کی کھوہ میں چھلانگ لگا سکتا تھا اور اتنی دیر تک انتظار کرتا جب تک دشمن چلا نہ جائے۔ کچھ ہی دنوں میں جینو اس زندگی سے تنگ آ گیا کہ یہ جینا بھی کوئی جینا ہے، جس میں میرے کان نہ مڑ سکتے ہوں۔

ایک دن اُس نے دیکھا کہ بونا ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑا تصویر بنا رہا ہے تو وہ معصوم سی صورت بنا کر اس کے پاس گیا اور اس سے معافی مانگی اور اس سے وعدہ کیا کہ آئندہ کسی سے بدتمیزی نہیں کرے گا۔ مہربانی کر کے وہ اس کے کان ٹھیک کر دے۔ بونے نے اسے بتایا کہ اس منتر کے توڑ کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ میں تمھیں زور سے دھکا دوں اور تم پہاڑی سے لڑھکتے ہوئے وادی سے گر جاؤ تو تمھارے کان دوبارہ مڑ سکیں گے۔ جینو نے ایک نظر کھائی کی گہرائی پر ڈالی تو اس کی گھگھی بندھ گئی۔

کاش وہ بونے کو نہ چھیڑتا۔ وہ گہرائی دیکھتا ہوا ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بونے نے جھکے ہوئے جینو کی پیٹھ پر ایک لات دے ماری۔ جینو پہاڑی پر گیند کی طرح لڑھکنا شروع ہو گیا۔ اس کے پاؤں کے دو ناخن ٹوٹ گئے۔ ایک پیر بھی زخمی ہو گیا۔ اس کی ننھی دُم پر کئی خراشیں آئیں اور لڑھکتے ہوئے اس کے کان بھی اتنی شدت سے مُڑے جیسے ٹوٹ ہی گئے ہوں۔

آخر وہ پہاڑی سے لڑھکتا ہوا نیچے پہنچا۔ اب وہ بدحواس بیٹھا، خوف سے کانپ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو چھو کر محسوس کیا کہ وہ اب بھی زندہ ہے یا نہیں۔ اسی دوران اس کے دوست خرگوش نیمو اور ٹیمو اس کے قریب سے گزرے۔ انھوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہمیشہ پہاڑی سے ایسے ہی اُترتے ہو؟ جینو نے انھیں غصے سے ڈانٹا، مگر وہ جینو کو چھیڑنے سے باز نہ آئے تو جینو انھیں مارنے کے لیے دوڑا، لیکن وہ قریب ہی اپنے بل میں گھس گئے۔ پیچھے پیچھے جینو بھی داخل ہوگیا۔ اچانک جینو رُکا۔ اس نے اپنے کانوں کو دیکھا تو خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی: ''میرے کان ٹھیک ہوگئے۔ آہا۔ میرے کان ٹھیک ہوگئے۔''

وہ خوشی سے چلاتا رہا، لیکن کان ٹھیک کرنے کا یہ علاج بہت تکلیف دہ تھا۔ جینو کئی دن بستر پر پڑا رہا۔ درد کے مارے کراہتا رہا اور جسم پر لگے زخموں کی وجہ سے وہ کئی دن بل سے باہر نہ نکل سکا۔

''میرا خیال ہے کانوں کے ساتھ ساتھ تمھاری بدتمیزی کا علاج بھی ہو گیا ہو گا۔'' جینو کی ماں نے کہا۔

''ماں! اب میں دنیا کا سب سے فرماں بردار خرگوش بنوں گا۔'' جینو نے سر جھکا کے ماں کو بتایا۔

ماں نے خوشی سے کہا: ''کیا واقعی؟''

پھر جینو کی یہ تبدیلی ہمیشہ زندگی بھر برقرار رہی۔

☆☆☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ مارچ ۲۰۱۳ء کے بارے میں ہیں

● ہر ماہ کا شمارہ ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا ہے۔ کس کہانی کو اول نمبر دیں، یہ تو سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ لال رنگ کا وہم (انوار آس محمد)، بلاعنوان کہانی (اشتیاق احمد)، شادی کی بس (سعدیہ مختار یمین)، گڑیا اور پتنگ (انور فرہاد)، پرانی حویلی (لیاقت علی)، دو آنے کا مزدور (نسرین شاہین)، بیٹا جی (عدیلہ ذکاء بھٹی) اور پھولوں والا راستہ (حامد مشہود) لاجواب تحریریں تھیں۔ سارے مستقل سلسلے بھی زبردست تھے۔ کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری ٹاؤن، کراچی۔

● آپ نے میری بھیجی ہوئی تصویر شائع نہیں کی۔ کیا میں نے تصویر اچھی نہیں بنائی تھی؟ اور ''پیاری سی پہاڑی لڑکی'' منگوانے کا طریقہ بتا دیں۔ تازہ شمارہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا۔ پرانی حویلی کہانی پڑھ کر مزہ آیا۔ ''ہمدرد نونہال'' نظم بہت مزے کی تھی۔ علینہ اظہر، اسلام آباد۔

> آپ کی بنائی ہوئی تصویر اسی شمارے میں شامل ہے۔ ''پیاری سی پہاڑی لڑکی'' ۶۵ روپے کا منی آرڈر بھیج کر منگوا لیجیے۔ اپنا پتا پورا لکھیے اور صاف صاف لکھیے۔ آپ نے خط میں بھی اپنا پتا نہیں لکھا۔

● مارچ کا شمارہ بہت شان دار تھا۔ سرورق ہی سے شمارے کی خوب صورتی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس شمارے کی ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ پہلے نمبر پر کہانی گڑیا اور پتنگ (انور فرہاد) تھی۔ دوسرے نمبر پر پرانی حویلی (لیاقت علی) تھی اور تیسرے نمبر پر لال رنگ کا وہم (انوار آس محمد) تھی۔ بلاعنوان کہانی قابل تعریف تھی۔ اس کے علاوہ شمارے کے تمام معلوماتی مضامین بہترین تھے۔ سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن کراچی۔

● مارچ کا شمارہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ لال رنگ کا وہم (انوار آس محمد)، پرانی حویلی (لیاقت علی) اور بلاعنوان کہانی (اشتیاق احمد) بہت ہی دل چسپ کہانیاں تھیں۔ قدسیہ کمال، مردان۔

● مارچ کا شمارہ حسب معمول اپنی مثال آپ تھا۔ کافی جامع اور معلومات سے مزین تھا۔ اس شمارے سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ میں ہمدرد نونہال کے پرانے شماروں سے کوئی کہانی انتخاب کر کے بھیج سکتی ہوں؟ اروحہ کساموز ہرا، تلہ گنگ۔

> نونہال کے کم سے کم ۱۵ سال پرانے شماروں سے انتخاب کر سکتی ہیں۔

● مارچ کا شمارہ تو زبردست تھا۔ حکیم صاحب کی تحریر جاگو جگاؤ دل کو جا لگی۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال معلوماتی اور اثر انگیز تھا۔ نونہال رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ مارچ کی کہانیوں میں ایک یادگار دن (شیخ عبدالحمید عابد)، لال رنگ کا وہم (انوار آس محمد)، پھولوں والا راستہ (حامد مشہود)، بیٹا جی (عدیلہ ذکاء بھٹی) بہت ہی اچھی کہانیاں تھیں۔ شادی کی بس بہت ہی مزاحیہ تحریر تھی۔ اشتیاق احمد کی بلاعنوان تو نمبر ون تحریر تھی۔ دو آنے کا مزدور (نسرین شاہین) معلومات سے بھرپور تھی۔ لطیفے سارے کے سارے کھٹے میٹھے تھے۔ نظمیں بھی ساری کی ساری اچھی تھیں۔ آپ کی تحریر ''تحفہ'' تو ہمارے لیے ایک تحفہ تھا۔ طارق محمود کھوسہ، کشمور۔

● مارچ کا شمارہ انتہائی زبردست تھا۔ سرورق تو بہت ہی خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں لال رنگ کا وہم (انوار آس محمد)، گڑیا اور پتنگ (انور فرہاد) بیٹا جی (عدیلہ ذکاء بھٹی)، بلاعنوان کہانی (اشتیاق احمد) اور تحفہ (مسعود احمد برکاتی) تو انتہائی زبردست تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمدرد نونہال کو دن دگنی اور رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ مدیحہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ۔

● مارچ کے شمارے میں سرورق پر ننھے منے نونہال کی تصویر کے ساتھ مینار پاکستان کی تصویر نے ہمدرد نونہال کو چار چاند لگا دیے۔ جاگو جگاؤ میں علم حاصل کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال بہت اثر انگیز تھا۔ روشن خیالات سونے سے لکھنے کے قابل تھے۔ کہانیوں میں لال رنگ کا وہم، گڑیا اور پتنگ، شادی کی بس دل و دماغ پر چھا گئیں۔ بلا عنوان کہانی اپنے اندر ایک خوب صورت انسانی جذبے کو سموئے ہوئے تھی۔ محمد مشتاق حسین قادری کی نعت شریف پڑھ کر دل کو سرور آ گیا۔ نونہال ادیب میں ''ذرا سی نیکی'' اور ''داستان کی تاریخ'' بہت شان دار تحریریں تھیں۔ راجا ثاقب محمود جنجوعہ، راجا فرخ حیات، راجا عظمت حیات، راجا بہت حیات، پنڈ دادن خان۔

● ہمدرد نونہال میرے لیے ایک انمول خزانہ ہے۔ جو معلومات مجھے نونہال کے مطالعے سے حاصل ہوتی ہیں، وہ نایاب ہیں۔ انکل! مارچ کا شمارہ بہت دل چسپ تھا۔ دہشت گرد کا خط (وقار محسن) پڑھ کر مزہ آیا۔ کہانی شادی کی بس پڑھ کر میں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئی۔ جس میں لڑکیاں تو لڑکیاں دادی جان نے بھی خوب رنگ جمایا۔ کہانی بیٹا جی (عدیلہ ذکا بھٹی) پڑھ کر ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا اور سب سے اچھی کہانی پرانی حویلی (لیاقت علی) تھی۔ سرورق پر میں بچے کی سندھی ٹوپی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میری امی بھی انکل حکیم محمد سعید کو خط لکھا کرتی تھیں اور اسی لیے ہمیں بھی خط لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آریل ریاض، ختام ریاض، ایمان، ملتان۔

● جاگو جگاؤ، پہلی بات اور ہر ماہ آپ کی ایک تحریر رسالے کی جان ہیں۔ جب آپ پہلی بات میں نونہالوں کو مخاطب کرتے ہیں تو یہی لگتا ہے کہ ہم آپ کے سامنے ہیں اور ہم آپ کی باتیں سن رہے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح اس ماہ بھی نونہال میں ہر سلسلہ، ہر تحریر، سب کہانیاں اور سب نظمیں لاجواب ہیں۔ ڈھونڈنے سے بھی تنقید کا موقع نہیں ملتا۔ ہمارے سب لکھنے والے بہت اچھا لکھتے ہیں۔ کوئی نظم ہو، کہانی ہو یا تحریر، لکھنے والے کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ہمدرد نونہال میں شائع ہونے والی اکثر تحریریں تو ہم جیسے پڑھنے والوں کے احساسات کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ ہم ہر ماہ نونہال کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے ہیں۔ آپ کو اور آپ کے ساتھ کام کرنے والوں کو سلام۔ بہادر علی حیدر بلوچ، کنڈیارو۔

● اس ماہ کہانیوں کے علاوہ معلومات اور نظمیں بھی بہت اچھی لگی ہیں۔ میں ساتویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ ہمارے گھر میں ہمدرد نونہال سب بچوں کو بہت پسند ہے۔ میں بھی آپ کے 'نونہال بک کلب'' کا حصہ بننا چاہوں گا۔ بہلو نور الٰہی، سیالکوٹ۔

> آپ نے خط میں اپنا پتا تو لکھا نہیں ہے۔ ممبر شپ کارڈ کیسے بھیجیں؟ پورا پتا صاف لکھیے۔

● مارچ کا شمارہ ہر لحاظ سے زبردست تھا۔ تحریریں جو پسند آئیں ان میں بلا عنوان کہانی، شادی کی بس، بیٹا جی، پھولوں والا راستہ شامل ہیں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریر ''تحفہ'' سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ نادیہ اقبال، کراچی۔

● مارچ ۲۰۱۴ء کے شمارے میں بلا عنوان کہانی، بیٹا جی اور تحفہ بہت زبردست تحریریں تھیں۔ باقی رسالہ بھی شان دار تھا۔ محمد وقار الحسن، اوکاڑہ۔

● مارچ کا شمارہ پہلے کی طرح زبردست تھا۔ کہانیاں، لطیفے اچھے تھے۔ نظموں میں ''ہمدرد نونہال'' بہت اچھی تھی۔ اسریٰ خان، کراچی۔

● مارچ کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ سے نونہال لغت تک کا سفر کیسے طے کیا پتا ہی نہ چلا۔ بس پڑھتے ہی چلے گئے۔ پھر آپ کی محنت کا اندازہ ہوا۔ اس مہینے کا خیال دل چھو لینے والا تھا۔ اور کیا تعریف کروں ہمدرد نونہال کی۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ مدیحہ رمضان، اوتھل۔

● مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ کہانیوں میں پرانی حویلی،

پھولوں والا راستہ، بیتا جی اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ اس کے علاوہ کہانی ''وحشت گرد کا خط'' نے دل پر اثر کیا۔ شادی کی بس بہت مزاحیہ تحریر تھی۔ دوسرے تمام سلسلے بھی اچھے تھے۔ لطائف نے بہت ہنسایا۔ محمد حامد، فیصل آباد۔

● تازہ شمارہ بہت دل چسپ تھا۔ ازراہ کرم نونہال ادب کی کتابوں کی تازہ فہرست ارسال کر دیجیے۔ بسطین عابس، تلہ گنگ۔

کس پتے پر بھیجیں؟ پتا تو آپ نے لکھا نہیں ہے۔ پورا اور صاف پتا لکھیے۔

● مارچ کا تمام رسالہ مجموعی طور پر بہت اچھا لگا۔ اس میں شادی کی بس، پھولوں والا راستہ اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی لگی۔ حافظ محمد حذیفہ علی، ملتان۔

● مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ لال رنگ کا وہم، پھولوں والا راستہ سپرہٹ کہانیاں تھیں۔ عامر سہیل، بکھور کوٹ۔

● مارچ کے شمارے میں ساری تحریریں نہایت عمدہ ہیں۔ بلاعنوان کہانی، تحفہ، وحشت گرد کا خط، لال رنگ کا وہم اور شادی کی بس اول درجے کی تحریریں تھیں۔ عریشہ بنت حبیب الرحمٰن، کراچی۔

● کہانی پھولوں والا راستہ بہت مزے کی تھی۔ شادی کی بس پڑھ کر بڑا افسوس ہوا۔ دو آنے کا مزدور بھی اچھی تھی۔ معلومات میں اضافہ ہوا۔ آمنہ خالد، اسلام آباد۔

● مارچ کے شمارے میں کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص کر بلاعنوان کہانی، شادی کی بس، تحفہ اور پہلی بات اچھی لگیں۔ عبدالرزاق سموں، ماہر عبدالرحمٰن سموں، مٹیاری۔

● مارچ کا شمارہ بہت ہی شان دار تھا۔ مجھے تو ایسا لگا کہ خاص نمبر پڑھ رہا ہوں۔ کہانیاں بہت ہی عمدہ تھیں۔ بلاول، دلاور، بہاول، سجاول، ملتان۔

● مارچ کا شمارہ تو بہت ہی عمدہ اور شان دار تھا۔ اس میں نظم ''ہمدرد نونہال'' بہت ہی شان دار تھی اور کہانیوں میں پھولوں والا راستہ اور شادی کی بس بہت مزے دار تھیں اور جاگو جگاؤ نے تو ہمیں بیچ میں جگا ہی دیا۔ اُجالا کھتری، میرپور خاص۔

● مارچ کا شمارہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ ابتدا میں روشن خیالات اور نعت شریف پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ تمام کہانیاں بہت ہی زبردست تھیں۔ ایک یادگار دن، تحفہ، لال رنگ کا وہم، پرانی حویلی، وحشت گرد کا خط اور پھولوں والا راستہ بہت سپرہٹ کہانیاں تھیں۔ بلاعنوان کہانی بہت پیاری تھی۔ شادی کی بس، سنگاپور، بیتا جی اور گڑیا اور پتنگ بہت ہی زبردست کہانیاں تھیں۔ محمد چاند علی قادری، کاموکی۔

● اس ماہ کے شمارے میں مشتاق حسین قادری کی نعت پڑھ کر بڑا سرور ملا۔ آپ نے یہ بڑا نیکی کا کام شروع کیا ہے اسے جاری رکھیے گا۔ وحشت گرد کا خط، لال رنگ کا وہم، گڑیا اور پتنگ اور شادی کی بس زبردست کہانیاں تھیں۔ اشتیاق احمد کی بلاعنوان کہانی ایک دم غیر دل چسپ ہے۔ آپ کا مضمون تحفہ ہمارے لیے ایک بہترین تحفہ ہے، لہٰذا ہماری طرف سے محبت و عقیدت اور تشکر کا تحفہ قبول فرمایئے۔ حسن رضا سردار، خدیجہ نشان، حلیمہ نشان، کاموکی۔

● مارچ کا شمارہ پڑھا۔ ابتدا میں ''نعت شریف'' بہت ہی خوب صورت تھی۔ اس کے بعد نظم ''معلم'' میں استاد کے احترام کا پتا چلتا ہے۔ اس کے بعد کہانیوں میں پرانی حویلی، پھولوں والا راستہ، دو آنے کا مزدور، بیتا جی، گڑیا اور پتنگ، شادی کی بس، لال رنگ کا وہم اور دہشت گرد کا خط بہت ہی پیاری تحریریں ہیں۔ ہنسی گھر پڑھ کر تو ہنسی آ ہی جاتی ہے۔ محمد حامد رضا قادری، گوجرانوالہ۔

● چچا جان! جاگو جگاؤ میں اس بار شہید حکیم محمد سعید کی باتیں تو چاندی کے پانی سے لکھنے کے قابل تھیں۔ اس مہینے کے خیال سے اتفاق کسے نہ ہوگا۔ سب ہی ادیب اچھا لکھتے ہیں، لیکن اشتیاق احمد کا ہم پلہ کوئی نہیں۔ آپ نے خاص نمبر کی تیاری شروع کر دی، ہم بھی اپنی تحریر بھجوانے کے لیے کمربستہ ہو گئے ہیں۔

روشن خیالات روشنی سے مزین تھے۔ تحفہ کی کہانی خود ایک تحفہ تھی۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کے سمجھانے کا انداز اور لکھنے کا طریقہ قابلِ تقلید ہے۔ سیدہ عائشہ عتیق الرحمٰن، کراچی۔

● مارچ کا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ ہمدرد نونہال کی خوشبو واقعی لاجواب ہے۔ یہ جناب شہید حکیم محمد سعید کی محنتوں کا حقیقی ثمر ہے۔ میری طرف سے نونہال کی تمام ٹیم کو مبارک باد قبول ہو۔ محمد قمر الزماں، خوشاب۔

● مارچ کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات سے بہت معلومات حاصل ہوئیں۔ کہانیوں میں لال رنگ کا وہم، پرانی حویلی اور پھولوں والا راستہ سپرہٹ تھیں۔ شادی کی بس پڑھ کر خاص مزہ نہیں آیا۔ اس مرتبہ لطیفے بہت اچھے تھے۔ حافظہ ماہ نور روا محمد بلوچ، منڈی بہاء الدین۔

● سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ کہانیوں میں گڑیا اور پتنگ عمدہ تھی اور لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ حماد محمد بلوچ، منڈی بہاء الدین۔

● مارچ کے شمارے کا تو کوئی جواب نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی تعریف کن الفاظ میں کروں۔ دہشت گرد کا خط، لال رنگ کا وہم، شادی کی بس، بہترین کہانیاں تھیں۔ بلا عنوان کہانی کا تو جواب نہیں، وہ ٹاپ پر رہی۔ آپ کی تحریر "تحفہ" پڑھ کر اچھا لگا۔ ایک یادگار دن پڑھ کر مینارِ پاکستان کے حوالے سے بہت زیادہ معلومات ملیں۔ معلومات افزا کے جوابات تلاش کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ نوید احمد فرید، امجد خان، واجد علی، ذیشان احمد، کراچی۔

● تحفہ اچھی تحریر تھی۔ دہشت گرد کا خط بہت انمول تھا۔ لیاقت علی کی کہانی پرانی حویلی بہت مزے دار تھی۔ لال رنگ کا وہم، گڑیا اور پتنگ سمیت سب کہانیاں بہترین تھیں۔ نفیس معلم اور چاند بہترین تھیں۔ مسکراتی لکیروں نے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ اس کے علاوہ تمام تر تحریریں اچھی تھیں۔ رافعہ میمونہ بی بی، جگہ نا معلوم۔

● مارچ کے شمارے کی پہلی بات میں یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے خاص نمبر کی تیاری شروع کر دی ہے۔ مارچ کے شمارے کی نمبر ون کہانیاں بیتاجی (عدیلہ ذکاء بھٹی) اور شادی کی بس (سمعیہ غفار یمین) تھیں۔ کرن فدا حسین، فیوچر کالونی۔

● مارچ کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ سب کچھ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ تصویر چھپوانے کے لیے ہدایت نامہ چاہتا ہوں اور انکل! میں "نونہال بک کلب" کا ممبر بننا چاہتا ہوں۔ فروری میں میں نے لکھا تھا۔ اظفر پٹھان، لاڑکانہ۔

> نونہال بک کلب کا ممبر شپ کارڈ آپ کو ۲ فروری کو روانہ کر دیا گیا تھا۔ شاید آپ نے اپنا پورا اور صاف پتا نہیں لکھا۔ اب پورا صاف پتا لکھیے۔

● ہمدرد نونہال کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس میں ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک اور عمدہ ہوتی ہے۔ ہر چیز میں ایک سبق پوشیدہ ہوتا ہے، اسی لیے ہمدرد نونہال دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ یہ آپ کی محنت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ پہلی بات اور جاگو جگاؤ پڑھ کر ہمیشہ کی طرح مزہ آیا۔ اس کے علاوہ شادی کی بس (سمعیہ غفار) اور لال رنگ کا وہم (انوار آس محمد) بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ فہد حسین، اسد علی، کنول، پارس، کراچی۔

● اس ماہ کا شمارہ بہت زبردست رہا۔ خاص طور پر انوار آس محمد کی تحریر "لال رنگ کا وہم" اور "بلا عنوان کہانی" اچھی تھی۔ مسعود احمد برکاتی کی تحریر پڑھ کر تحفہ دینے اور لینے کی افادیت کا پتا چلا۔ زینب ناصر، جگہ نا معلوم۔

● مارچ کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں شادی کی بس اور دہشت گرد کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ نظم "ہمدرد نونہال" بہت اچھی تھی۔ اس بار لطیفے کچھ خاص نہیں تھے۔ بلوشہ بلال، عباد بلال، کراچی۔

● مارچ کے مہینے کا سرورق بہت پسند آیا۔ ساری کی ساری تحریریں بہت پسند آئیں۔ پرانی حویلی کہانی بہت پسند آئی۔ مہوش حسین، کراچی۔

● سرورق شان دار اور بہت خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں زیادہ اچھی کہانیاں پھولوں والا راستہ (حامد مشہور)، شادی کی بس (سمعیہ غفار یمین) گڑیا اور پتنگ (انور فرہاد)، بیناجی (عدیلہ ذکاء بھٹی) تھیں۔ معلومات افزا کے جوابات تلاش کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ طارق قاسم طلحہ محمد طاہر قریشی، نواب شاہ۔

● کہانیوں میں پرانی حویلی، پھولوں والا راستہ اور بیناجی تجسس سے بھرپور تھیں۔ نسرین شاہین کی تحریر "دو آنے کا مزدور" معلومات کا خزانہ تھی۔ نظم "معلم" بہت پسند آئی۔ مجبہ ثاقب جنجوعہ، صدف ثاقب، ثانیہ فرخ، پنڈ دادن خان۔

● اس ماہ کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ تمام کہانیاں دل چسپ اور بہترین تھیں۔ سائرہ نازش خان، ساگھڑ۔

● مارچ کا شمارہ بہت شان دار تھا۔ اس شمارے میں بہت مزے مزے کی کہانیاں تھیں۔ میں ہمدرد نونہال ہمیشہ پڑھتی رہوں گی، کیوں کہ مجھے نونہال سے بہت سی چیزیں سیکھنے اور سمجھنے میں مدد ملتی ہیں۔ عمبر کامران، کراچی۔

● جاگو جگاؤ اور پہلی بات سبق آموز تھے۔ انسان واقعی انسان کی دوا ہے۔ روشن خیالات پسند آئے۔ نظموں میں نعت شریف سمیت "معلم" اور "ہمدرد نونہال" زیادہ پسند آئیں۔ کہانیوں میں پرانی حویلی، پھولوں والا راستہ اور شادی کی بس دل چسپ تھیں۔ بیت بازی بہت اچھا سلسلہ ہے۔ محمد اسامہ ورک، راولپنڈی۔

● دہشت گرد کا خط، شادی کی بس اور دوسری کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ قلزہ مہر، سکھر۔

● کہانیوں میں پھولوں والا راستہ، لال رنگ کا وہم، گڑیا اور پتنگ، شادی کی بس اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی لگیں۔ دو آنے کا مزدور، بیناجی اور سنگاپور بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ نونہال ادیب، بیت بازی، نونہال خبرنامہ، ہنسی گھر، بلا اور تصویر خانہ بھی اپنی جگہ آپ تھے۔ غرض یہ کہ پورا شمارہ ہی قابل تعریف تھا۔ نام، پتا نامعلوم۔

● میں جماعت ساتویں کی طالبہ ہوں۔ انکل! میں اپنے پیارے رسالے میں کہانیاں لکھنا چاہتی ہوں۔ طریقہ نہیں معلوم، لہٰذا مجھے طریقہ بتا دیں۔ عائشہ ذوالفقار علی، مرجانی ٹاؤن۔

> بیٹی! جیسی کہانیاں نونہال میں چھپتی ہیں، انھی کے مطابق لکھنے کی کوشش کرو۔ کوشش کرو گی تو لکھنا آجائے گا اور اچھی کہانیاں لکھنے لگو گی۔ اپنی لکھی ہوئی پہلی سات کہانیاں تو بس اپنے پاس رکھ لو، آٹھویں کہانی بھیج دینا۔ یاد رکھو، لکھنا ایک دن میں نہیں آتا۔

● اس مرتبہ بہترین کہانیوں میں بیناجی اور دہشت گرد کا خط سرفہرست تھیں۔ تحفہ اور سنگاپور بھی پسند آئیں۔ پھولوں والا راستہ اور دو آنے کا مزدور بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ بیت بازی میں نئے اشعار پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ نظمیں بھی ٹھیک ہی تھیں اور نونہال ادیب میں وقار الحسن، دیپال پور (داستان کی تاریخ) اور اسمہ ضیاء، ملتان (بہترین دوست) کی کاوش بہت پسند آئیں۔ نورالعلمہ حسن، کراچی۔

● ہمدرد نونہال بڑوں اور بچوں سب کے لیے ہی انتہائی خوب صورت رسالہ ہے۔ بلاعنوان بڑی زبردست تھی۔ تحفہ، شادی کی بس سمیت تقریباً پورا ہی رسالہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا رہا۔ حزقل محمد علی، ندا محمد علی، وزیرہ، سہیل محمد فضل، اوتھل۔

● شمارہ مارچ میں گڑیا اور پتنگ اور بیناجی بہت خوب کہانیاں تھیں۔ ثاقب، لاوہ۔

● جاگو جگاؤ پڑھ کر علم کی قدر ہوئی۔ پہلی بات پڑھ کر خاص نمبر کا انتظار شروع ہوگیا۔ اس ماہ بلاعنوان کہانی بہت ہی زبردست تھی۔ "تحفہ" خوب صورت مضمون تھا۔ ایک یادگار دن معلوماتی مضمون تھا۔ پرانی حویلی، پھولوں والا راستہ، دو آنے کا مزدور، بیناجی، لال رنگ کا وہم، شادی کی بس اچھی کہانیاں تھیں، لیکن گڑیا اور پتنگ پڑھ کر دل افسردہ ہوگیا۔ آمنہ، سعیہ، عائشہ حسن، منارتھہ، قم آباد۔ ☆

نقوشِ سیرت

شہید حکیم محمد سعید

اچھی زندگی گزارنے اور پاکیزہ اخلاق اور عادتیں اپنانے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر کس طرح سے عمل کیا، عبادت کیسے کی، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کیسے پیش آئے، مسکینوں اور محتاجوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا تھا، آپؐ نے سخاوت اور عدل و انصاف کی جو مثالیں قائم کیں، سب ہمارے لیے کردار کا اعلا نمونہ ہیں۔

پانچ حصوں پر مشتمل اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کے مختلف واقعات نہایت آسان اور دل نشین انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

پانچ کتابوں کا سیٹ بچوں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے، جس سے بڑے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

قیمت : حصہ اول ۳۵ رپے حصہ دوم ۱۲ رپے

حصہ سوم ۱۲ رپے حصہ چہارم ۱۲ رپے

حصہ پنجم ۱۲ رپے

اردو ایڈیشن : مکمل سیٹ ۸۳ رپے

سندھی ایڈیشن : مکمل سیٹ ۴۰ رپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

جوابات معلومات افزا - ۲۱۹

سوالات مارچ ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئے تھے

مارچ ۲۰۱۴ء میں معلومات افزا-۲۱۹ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد اچھی خاصی ہے، اس لیے قرعہ اندازی کے ذریعے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے ہیں اور ان کو انعامی کتاب بھیجی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام بھی شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت یونسؑ وہ پیغمبر تھے، جنھیں ایک مچھلی نے نگل لیا تھا۔

۲۔ "ایلیا" عبرانی زبان میں حضرت الیاسؑ کو کہا جاتا ہے۔

۳۔ پنجاب میں سکھ سلطنت کا پہلا مہاراجا رنجیت سنگھ تھا۔

۴۔ ۱۸۵۷ء میں مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے جنرل بخت خاں کو شاہی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا۔

۵۔ غزنی کے سلطان محمود غزنوی کے والد کا نام سبکتگین تھا۔

۶۔ شیر بنگال، جدوجہد آزادی کے لیڈر مولوی فضل الحق کو کہا جاتا ہے۔

۷۔ پاک فضائیہ کے پہلے مسلمان کمانڈر انچیف ایئر مارشل اصغر خاں تھے۔

۸۔ پاکستانی سائنس داں ڈاکٹر عبدالسلام کو ۱۹۷۹ء میں فزکس کا نوبل انعام دیا گیا تھا۔

۹۔ قوسِ قزح سات رنگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

۱۰۔ "میڈرڈ" اسپین کا دارالحکومت ہے۔

۱۱۔ نیپال کی کرنسی رُپیا کہلاتی ہے۔

۱۲۔ اقوامِ متحدہ کے تحت "مادری زبان" کا عالمی دن ۲۱ فروری کو منایا جاتا ہے۔

۱۳۔ امریکا کا قومی کھیل بیس بال ہے۔

۱۴۔ "CRAB" انگریزی زبان میں کیکڑے کو کہتے ہیں۔

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: "خون سفید ہونا"

۱۶۔ مجروح سلطان پوری کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: ماثورہ بلال، عبدالرحمٰن قیصر، ہانیہ شفیق، محمد آصف انصاری، ناعمہ تحریم، سیدہ عائشہ خلیق الرحمٰن، سید محمد طیب ☆ حیدر آباد: ماہ رخ ہشمین خان ☆ نواب شاہ: حفصہ محمد طاہر قریشی ☆ لاہور: صفی الرحمٰن، اریبہ صابر ☆ گوجرانوالہ: حسن رضا سردار ☆ ملتان: منصور علی انصاری ☆ راولپنڈی: سہیل ناصر۔

۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے کام یاب نونہال

☆ کراچی: محمد برہان حسین، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، شازیہ وحید صدیقی، محمد انس زاہد، عکاشہ سہیل، اریبہ امجد رندھاوا، پلوشہ بلال، شہزاد احمد خان، محمد صہیب علی، طوبیٰ عبدالقادر، عشا ناز، آسیہ جاوید احمد، عمصہ کنول ہارون، علیزہ سہیل، لقمان، اریبا آفتاب، احمد شہود عمر، محمد ودود عمر، سمعیہ محمد شاکر، سید محمد فیضان، افشین رئیس الدین، رجاء جاوید خانزادہ، یوسف مفتی، سیدہ ماہ نور طارق ☆ حیدر آباد: محمد زاہد، فارحہ خان، ملائکہ خان ☆ میرپور خاص: طوبیٰ محمد اکرم، طلحہ محمد اکرم، کائنات محمد اسلم، وقار احمد، ثمینہ محمد علی سیال ☆ سانگھڑ: سارہ ناز خان، چودھری منیب احمد رندھاوا، محمد ثاقب منصوری ☆ نواب شاہ: فضہ سعید خانزادہ ☆ فیصل آباد: سیدہ شہر بانو عبدالرزاق، زینب ناصر ☆ لاہور: مطیع الرحمٰن، حسن امتیاز، کمال رانا، وہاج عرفان، فہد ولد اعجاز الحق ☆ جامشورو: اقصیٰ مظہر، حافظ مصعب سعید ☆ گوجرانوالہ: محمد حامد رضا قادری، محمد چاند علی قادری ☆ ملتان: فروا نشاور، عائشہ سہیل، ثمینہ کاشف ☆ راولپنڈی: محمد ذکوان، طلال طارق، محمد علی بنگش ☆ سکھر: سمعیہ وسیم، محمد عاطف عباسی۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: آمنہ بنت جمال محی الدین، عمیر کامران، رضی اللہ خان، سید سبطین احمد، سیدہ ثوبیہ ناز، عریشہ بنت حبیب الرحمٰن، اریبہ توقیر، حسن رضا قادری، وردہ نور، محمد بلال صدیقی، ماہ نور نصیر، شمسہ کنول عثمانی، محمد حذیفہ الطاف، کرن مرسلین، اقبال احمد خان، کومل فاطمہ اللہ بخش، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سید باذل علی اظہر، سید شمظل علی اظہر، سیدہ اریبہ بتول، فیاض حسین صدیقی، عبدالسبحان، ماہ نور عمران عالم خان، ایمن عرفان ☆ حیدر آباد: عائشہ ایمن عبداللہ، حافظ حسن حیدر خان لودھی ☆ سکرنڈ: ماہ نور شیخ، ثمینی محمود الیاس شیخ ☆ لاہور: محمد نبیل اقبال، مشعل عمران ☆ راولپنڈی: محمد ارسلان ساجد، اسما غوری ☆ کیڈٹ کالج: حسام احمد چنہ ☆ روہڑی: مریم کنول محمد شبیر ☆ کشمور: سہیل احمد کھوسو ☆ سانگھڑ: فضہ کشف عرف رمشا فضہ ☆ کوئٹہ: محمد کامران سومرو ☆ بیلہ ضلع لسبیلہ بلوچستان: طوبیٰ احمد صدیقی ☆ رحیم یار خان: ماہم فاطمہ ☆ ملتان: لاریب کنول ☆ اسلامیہ کالونی جہلم: سیماں کوثر ☆ اسلام آباد: سہیل حسن ☆ پشاور: حانیہ شہزاد۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: اختر حسین عرفات، رابعہ تحریم، اریبہ سحر، مہوش حسین، فہد ندا حسین، فاطمہ صدیقہ، سہیلہ کرن، سمعیہ شاہد، واجد نگینوی، مومنہ سعید، ملیحہ لطیف، سیدہ صباحت بخی، فاطمہ نور، حیدر علی، اسامہ نعیم احمد ☆ میر پور خاص: روبن کھتری، اوم پرکاش، شفق فیصل اعظم، حفصہ نادر خان، شہزیم راجا ☆ سانگھڑ: کائنات حمید، عبدالرؤف عرف اظفر ☆ نواب شاہ: ایمن سلیم، حفصہ محمد اشرف شیخ ☆ راولپنڈی: رافعہ میمونہ بی بی، محمد اسامہ ورک ☆ اسلام آباد: آمنہ خالد، علینہ اظہر ☆ حیدرآباد: اقصیٰ سرفراز انصاری ☆ کنڈیارو: بہادر علی حیدر بلوچ ☆ بھریا روڈ: عبدالسمیع چوہان ☆ کوٹ ادو: آمنہ حسنین بودلہ ☆ بہاول نگر: عبدالحنان ☆ بھکر: محمد مجیر خان ☆ شیخو پورہ: احسان الحسن ☆ لاہور: حرا یاسمین ☆ نئی آبادی پیپلز کالونی، اٹک: صالحہ عارف ☆ شاہ منصور ضلع صوابی: فرحین علی خان۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: شہلا ناز، حفصہ ارشد، حافظ حسان علی، معاذ بن نہال، ماہم خان بنت شہاب خان، فرخندہ بانو ☆ پنڈ دادن خان: راجا ثاقب محمود جنجوعہ، سیدہ مبین فاطمہ عابدی ☆ سکھر: فلزا مہر ط ہانی فضل الرحمٰن ☆ گوجرانولہ: حامد حسین بن نصر اللہ ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: ولید اشرف ☆ حیدرآباد: ماہین غلام محمد ☆ لاڑکانہ: اظہر علی پٹھان۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُرامید نونہال

☆ کراچی: حنا نور، افرا شمشاد، ضحیٰ پرویز، صباء مصطفیٰ کمال، احمد حسین محمد بادل، طوبیٰ محمود احمد، اسریٰ خان، طاہر مقصود ☆ کشمور: طارق محمود کھوسہ ☆ ملتان: حافظ محمد حذیفہ ☆ کوٹ ادو: محمد احمد رضا انصاری ☆ ڈیرہ غازی خان: نور فاطمہ ☆ دریا خان: عبداللہ شاہ۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُراعتماد نونہال

☆ کراچی: فضل قیوم خان، محمد عثمان خان، محمد ذیشان ریاض، فضل ودود خان ☆ دادو: محمد کیف ☆ قاضیانوالہ ☆ ضلع بھکر: رانا بلال احمد۔

ضروری تصحیح

ہمدرد نونہال شمارہ اپریل ۲۰۱۴ء جس میں معلومات افزا - ۲۱۸ کے ۱۶ صحیح جوابات کا اعلان کیا گیا ہے۔ ان میں پہلا جواب ''حضرت شعیبؑ'' بھول چوک کی وجہ سے غلط شائع ہو گیا ہے۔ صحیح جواب یہ ہے: ''اسرائیل'' حضرت یعقوبؑ کا لقب ہے۔ نونہالوں اور دوسرے پڑھنے والوں سے دلی معذرت۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال مارچ ۲۰۱۴ء میں جناب اشتیاق احمد کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد ایک عنوان ''وقت کا پہیا'' کا انتخاب کیا ہے۔ یہ عنوان ہمیں مختلف جگہوں سے پانچ نونہالوں نے ارسال کیا ہے۔ ان نونہالوں کو انعام کے طور پر ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے:

۱۔ ربیعہ توقیر، ملیر، کراچی

۲۔ سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن، کراچی

۳۔ کائنات محمد اسلم، میرپور خاص

۴۔ عزنا مریم طالب قریشی، نواب شاہ

۵۔ عامر سہیل، کلورکوٹ

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات ﴾

عروج کا زوال۔ وقت کا کھیل۔ انوکھا رشتہ۔ کل اور آج۔ وقت کی چال۔ دل کا رشتہ۔ پرانا رشتہ۔ وقت کی بات۔ وہ ایک جملہ۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: آسیہ جاوید، سمیعہ شاہد، صباحت نجمی، سیدہ ضاحکہ خلیق الرحمٰن، شازیہ انصاری، سہیل کرن، عبدالرحمٰن قیصر، جویریہ سہیل، عبدالرحمٰن، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سید یا[illegible]

علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید فضل الرحمٰن، شہزاد احمد خان، محمد مصعب علی، ہانیہ شفیق، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، ماہم خان، حسن رضا قادری، فاطمہ عمران احسن، ملیحہ لطیف، کومل فاطمہ اللہ بخش، ثناء بلال، واجد نگینوی، کرن مرسلین، صباء عبدالغنی، محمد حمدان، مصامص شمشاد غوری، عبدالمعیز عابد، عائشہ صدیقہ، نائمہ تحریم، عمصہ کنول ہارون، محمد حارث الطاف، کنول فدا حسین کیریو، سلمان شاہ، محمد بلال صدیقی، فطرینہ قائم، نادیہ اقبال، اریبہ امجد رندھاوا، وقار حسین، بی بی آمنہ شاہنواز، طیبہ سعید، ودہ نور، صباء بنت حافظ مصطفیٰ کمال، ثمین بلال، فضل قیوم خان، محمد فضل الرحمٰن، فضل وردہ خان، محمد فیضان ملک، علی حسن، رضوان ملک، احسن محمد اشرف، محمد عثمان خان، محمد عزیر، احمد حسین، محمد ذیشان ریاض، محمد طاہر مقصود، مہوش حسین، رخشی آفتاب، اسریٰ خان، خلیل الرحمٰن، ربیعہ توقیر، احمد شہود عمر، محمد ودود عمر، سیدہ محمد حذیفہ، سید زین العابدین، سنبل کی، اسامہ صدیقی، سمیعہ محمد شاکر، حنا نور، عریشہ بنت حبیب الرحمٰن، ایمن ارشد، سیدہ اریبہ بتول، سجاع الرحمٰن، افشین رئیس الدین، عبہر کامران، محمد فارس خان، رجاء جاوید خانزادہ، فیاض حسین، رضی اللہ خان، نور فاطمہ، عبداللہ نعیم احمد، حمنہ شان صدیقی ☆ جامشورو: اقصیٰ مظہر، حافظ مصعب سعید ☆ حیدرآباد: نائمہ غلام محمد، حافظ حسن حیدر خان لودھی، ملائکہ خان، فارحہ خان، عایہ ارشد قائم خانی، آفاق اللہ خان، ماہ رخ، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ میرپورخاص: طوبیٰ محمد اکرم، ثمینہ محمد علی سیال، کائنات محمد اسلم، بلال احمد، حفصہ نادر خان، دیپا کھتری ادم پرکاش، طلحہ محمد اکرم، حافظ احمد فیصل اعظم ☆ سانگھڑ: چوہدری منیب احمد رندھاوا، فضہ کشف، سائرہ نازش خان، عبدالرؤف عرف اظفر، علیزہ ناز منصوری ☆ سکرنڈ: ضحیٰ عبدالرحیم شیخ، آمنہ محمد الیاس شیخ، محمد حماد شیخ، ثمرہ سلیم ☆ نواب شاہ: عذنا مریم طالب قریشی، حفصہ محمد طاہر قریشی ☆ محراب پور: عثمان رؤف، عبیداللہ

پیرزادہ ☆ سکھر: سمعیہ وسیم، فلزہ مہر، محمد عاطف عباسی، ماہم فضل الرحمٰن، مریم کنول محمد شبیر ☆ رحیم یار خان: ماہم فاطمہ، مہرین عبدالصمد ☆ ملتان: حافظ محمد حذیفہ علی، بلاول، لاریب کنول، عیشہ عاصم صدیقی، منصور علی انصاری، نور فاطمہ ☆ لاہور: دباج عرفان، وقار ولی خان، حرا یاسمین، عطیہ جلیل، اریبہ صابر، ماہین صباحت ☆ فیصل آباد: زینب ناصر، سیدہ شہر بانو عبدالرزاق ☆ کشمور: سہیل احمد کھوسو، عبداللطیف چاچڑ، طارق محمود کھوسہ ☆ بھکر: محمد مجیر خان، رانا بلال احمد ☆ مردان: قدسیہ کمال، ولی محمد ☆ گوجرانوالہ: حامد حسین، محمد چاند علی قادری، محمد حامد رضا قادری، حسن رضا سردار ☆ جہلم: راجا ثاقب محمود ثاقی جنجوعہ، سیماں کوثر ☆ راولپنڈی: ہاجرہ ابراہیم ورک، خنسہ امتیاز، انعم فاطمہ، احمد بنگش، رافعہ میمونہ بی بی ☆ اسلام آباد: آمنہ خالد، جویریہ، علینہ اظہر ☆ اوتھل: شفق محمد علی، محمد سبطین عاشر بھٹہ، محمد ہمدان اعظم بھٹہ ☆ کوئٹہ: آسیہ ظاہر، محمد کامران سومرو ☆ کیڈٹ کالج پٹارو: حسام احمد چنہ ☆ ٹیاری: عبدالرزاق سموں ☆ ٹنڈو الہیار: انوشہ ارشد ☆ کھوکی: سرفراز احمد ☆ جھڈو: شہزیم راجا ☆ دولت پور: فضہ سعید خانزادہ ☆ بھریا روڈ: عبدالرافع چوہان ☆ بہاول پور: مبشرہ حسین ☆ لاڑکانہ: اظہر علی پٹھان ☆ بیلہ چوک: طوبیٰ احمد صدیقی ☆ شیخوپورہ: احسان الحسن ☆ بورے والا: حکیم عبدالرحمٰن ☆ بلال نگر: ابسام مسیح ☆ لیاقت پور: اقراء قاسم ☆ کلورکوٹ: عامر سہیل ☆ کوٹ ادو: محمد احمد رضا انصاری ☆ ڈیرہ غازی خان: ریحان فاطمہ ☆ لاوہ: محمد ثاقب ☆ واہ کینٹ: حبیبہ اسحاق ہاشمی ☆ تلہ گنگ: عابس احمد حسن ☆ تربت: صباح عبدالمجید دتی ☆ صوابی: فرحین علی خان ☆ پشاور: حانیہ شہزاد ☆ کوٹلی آزاد کشمیر: محمد جواد چغتائی ☆ دریا خان: عبداللہ شاہ۔

☆☆☆

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
بِساند	بِ سا ں د	بدبُو۔ مچھلی یا کچے گوشت کی سی بُو، جو دماغ کو ناگوار گزرتی ہے۔
سَکتہ	سَ کْ تہ	ایک بیماری جس میں انسان مُردے کی طرح بے ہوش ہو جاتا ہے۔
پیچیدہ	پے چی دَ ہ	اُلجھا ہوا۔ مشکل۔ دِقت طلب۔ قابلِ غور و فکر۔
مُوذی	مُ وْ ذ ی	تکلیف دینے والا۔ ایذا دینے والا۔ ستانے والا۔ شریر۔
حَریص	حَ رِ ی ص	لالچی۔ حاسد۔ بخیل۔ دیکھا دیکھی کام کرنے والا۔
خُفیہ	خُ فْ یَہ	پوشیدہ۔ در پردہ۔ چھُپا ہوا۔
سُفوف	سُ فُ و ف	پسی ہوئی دوا۔ بُرادہ۔ پوڈر۔
حَلَف	حَ لَ ف	قسم کھانا۔ قسم۔ عہد۔ پیمان۔
عاجِز	عا جِ ز	کم زور۔ بے کس۔ بے بس۔ مجبور۔ غریب۔
گُر	گُ ر	اصول۔ قاعدہ۔ راز۔ کسی کام کو کرنے کا خاص طریقہ یا قاعدہ۔
خیرالبشر	خ ے رُ لْ بَ شَ ر	بہترین انسان۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب۔
جَتَن	جَ تَ ن	کوشش۔ ڈھنگ۔ علاج۔
مُنَظّم	مُ نَ ظْ ظَ م	وہ چیز جو انتظام کے ساتھ ہو۔ دھاگے میں پرویا ہوا۔
تِکون	تِ کو ن	مثلث۔ سہ پہلو۔ تین کونوں والی شکل۔
ڈَھارس	ڈَ ھا رَ س	سہارا۔ تسلی۔ حوصلہ۔
اَحسن	اَ حْ سَ ن	بہت اچھا۔ سب سے اچھا۔ نہایت عمدہ۔ بہت حسین۔
مُنتشِر	مُ نْ تَ شِ ر	بکھرنے والا۔ بکھرا ہوا۔ متفرق۔ تتر بتر۔ حیران۔ پریشان۔
حَسرت	حَ سْ رَ ت	افسوس۔ کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس۔ آرزو۔ ارمان۔